

"اس نادر کتاب میں
اختصار اور جامعیت
کے ساتھ فخر المحدثین حضرت
علامہ سید محمد انور شاہ
کاشمیری علیہ الرحمتہ کے
حالاتِ زندگی، علمی تبحر
اور درسی خدمات کا پورا
پورا جائزہ لیا گیا ہے"

مرتبہ

مسعود احمد قاسمی

ناشر

ادارۂ ہادی دیوبند یوپی

قیمت دو روپے ۲/-

فہرست مضامین سیرت انورؒ

کچھ آپ سے متعلق

حضرت محدث کشمیریؒ کے ہند و بیرون ہند میں تلامیذ کی تعداد بہت زائد ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بڑی کوشش کے باوجود ان کی مکمل فہرست اب تک ہمیں نہیں مل سکی، اسلئے مختصر طور پر بعض چیدہ چیدہ حضرات کے نام لکھدیئے گئے۔

ایسے حضرات جن کا نام اس فہرست میں نہ آسکا اُن سے گذارش ہے کہ اپنا نام مفصل پتہ، سنہ فراغت، علمی کارنامے، اور اپنے موجودہ مشغلہ سے فوری طور پر اطلاع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جاسکے اور آپ کا نام شامل ہوجائے۔ فقط

والسلام

ناشر:- اِدارۂ ھادی دیوبند۔ یو۔ پی۔ (انڈیا)

آغازِ سخن

فخر المحدثین حضرت العلامہ مولٰنا سیّد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ دورِ آخر کے اُن اکابرینِ اسلام میں سے تھے جن کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت، زہد و ورع اور پاکباز زندگی کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے حضرت مرحوم کے علوم کا جتنا ذخیرہ چھپ چکا ہے وہ مُسلمانوں کے لئے ایک متاعِ بے بہا ہے، جو نہیں چھپا وہ ایک کنزِ مخفی ہے اور شائقینِ علوم ہمیشہ اس کے متمنی اور متلاشی رہیں گے۔

ادارۂ ہادی نے ہمّت کر کے یہ طے کر لیا کہ ابتداءً حضرت علامہ کی ایک مختصر تاریخ حیات شائع کی جائے جس میں اگرچہ اختصار سے ہو مگر حضرت مرحوم کی زندگی کے سبھی گوشوں پر روشنی ڈالی جائے۔ اِس ضمن میں یہ مختصر کتاب مرتب کی گئی ہے جس کا پہلا مضمون حضرت مرحوم کی زندگی کے اکثر گوشوں سے بحث کرتا ہے، دوسرا مضمون حضرت مولٰنا قاری محمّد طیب صاحب مدظلہ کے افادات سے ہے، جس میں حضرت مہتمم صاحب نے اپنے قریبی نیاز مندانہ تعلقات کی روشنی میں حضرت

کی زندگی کا ایک دلکش مرقع تیار کیا ہے ۔ حضرت علامہ انور شاہؒ کی باکمال زندگی اور محققانہ علوم کی اشاعت کے سلسلہ میں ادارہ کی یہ پہلی کوشش ہے، انشاء اللہ اس کے بعد ادارہ اسی عزم و توانائی کے ساتھ جو گذشتہ پندرہ سولہ سال میں ہمارے دینی اور اشاعتی مصروفیت کی بُنیادی خصوصیت بنا رہا ہے ہم حضرت محدّث کشمیریؒ کی مطبوعہ تصانیف کے تراجم، تلخیصات و تسہیلات اور غیر مطبوعہ تصانیف کے شاندار ایڈیشن اہلِ نظر کے سامنے پیش کر سکیں گے ۔

موجودہ کساد بازاری کے دور میں اس مہتم بالشان علمی کام کی تکمیل صرف اِس طرح ممکن ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ کے فاضل تلامیذ علمی انداز میں ہماری سرپرستی اور حضرت مرحوم کے افادات کو ہم تک پہونچانے کی سعیٔ بلیغ فرمائیں اور عام مسلمان علم و حقائق کے اِس ذخیرہ کی قدر فرما کر ہمیں اُن کی اشاعت اور بہترین طباعت و کتابت کا موقع دیں

اِس سلسلہ میں ارباب توفیق مختلف شکلوں میں ہم سے تعاون فرما سکتے ہیں اور ذریعہ مراسلت تعاون کی یہ راہیں ہم اُن سے عرض کر سکتے ہیں

حضرات اہلِ علم اور باتوفیق مُسلمان اس دینی لٹریچر کو پھیلانے میں ہماری مدد فرمائیں، اِس طرح کہ خود بھی یہ لٹریچر خریدیں اور اپنے احباب تک اسے پہونچائیں ! ؛

افتتاحیہ

اگر یہ تمنا کی گئی کہ امام العصر حضرت العلامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے ذخیرۂ علوم و حقائق کی کماحقہٗ حفاظت اور اسکی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے تو یہ صرف کسی ایک دل کی تمنا نہیں بلکہ اس شوق علم اور علمی شغف کا ایک حصہ ہے جسے: پچھلے زمانوں میں سلاطینِ اسلام، علمائے کرام اور محققین عصر کو علمی کاوشوں اور علم کے ناپیدا کنار دریاؤں میں غواصی اور شناوری پر مجبور کیا تھا، سلاطینِ اسلام نے بغداد کی اسلامی سلطنت، قرطبہ و غرناطہ اور مصر و اسکندریہ کے ترقی یافتہ دار التصانیف میں کتابت و طباعت کے موجودہ اِنتظامات نہونے کی وجہ سے علمائے اِسلام کی ہر جدید تصنیف کی سینکڑوں نقلیں کرا کر اُنھیں بلادِ اسلامیہ میں پہونچایا۔ اور حجاز، شام، کوفہ، بغداد، ترکستان، ہندوستان اور ایشیائے کوچک کے علماء نے اپنی زندگیاں کُتبخانوں کی عمارتوں اور کتابوں کی مصاحبت میں صرف کر دیں، شب و روز کی محنت سے علوم کے تمام دریا کھنگال ڈالے، اور قرآن و حدیث اور دوسرے دینی اور دُنیاوی علوم کے ایک ایک نقطہ کو بناسنوار کر پیش کیا۔ یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث سے لیکر علم ہندسہ و حساب

منطق و فلسفہ، طب، اور علم تشریح الاعضاء، علم النفسیات، اور سائیکلالوجی تک کوئی علم ایسا نہیں تھا جسے مسلمانوں نے پڑھا اور اپنے اضافات سے ان علوم پر اپنی ذہانت کی چھاپ نہ ڈالدی ہو آج یورپ کی مادی ترقیات کا اصل سرچشمہ دورِ عباسی کے مسلمان علماء اور سائنسدانوں اور کیمیاگروں کی ابتدائی سائنسی اور کیمیاوی تحقیقات ہیں۔

اب وہ سلاطینِ اسلام تو نہیں جو علوم کی اشاعت کو امورِ سلطنت میں شمار کرتے، علماء کو اشرفیوں سے تولتے اور اُن کی تصانیف کو شاہی اثر و رسوخ سے پوری دُنیا میں پھیلا دیتے تھے۔ لیکن ہاں ایسے علمی اور دینی ادارے اب بھی ہیں جو نامور علماء و محققین کے افادات علمیہ کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اُن کی حفاظت میں رغبتِ دل کے ساتھ کوشاں ہیں۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کی تصانیف کا کافی ذخیرہ ہند و پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ اب حضرت مرحوم کی کئی کتابیں ممالک عرب میں بھی وہاں کے علمی اداروں کی کوششوں سے زیرِ طبع ہیں، لیکن جتنا ذخیرہ

سامنے آچکا ہے اس سے بہت زائد نگاہوں سے مستور اور قیمتی خزانوں کی طرح مدفون ہے۔

دیوبند کا ادارۂ ھادی، مستحق تبریک و تحسین ہے کہ علمی خدمت کے اس خاص گوشے پر اس کی مخلصانہ توجہ ہے۔ اس نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت محدّث کشمیری علیہ الرحمۃ کی تمام تصانیف کو جدید اندازِ بیان اور ترقی یافتہ شکل میں پیش کرے۔

مگر یہ کتنا بڑا کام ہے؟ اور اسے پورا کرنے کے لئے کتنے وسائل کی ضرورت ہے؟ اسے علمی خدمات کی گراں مائگی کو جاننے والے ہی کچھ جان سکتے ہیں۔ ضروری ہے:-

(۱) ہند، و پاکستان اور دوسرے تمام ممالک میں حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے تمام تلامذہ اُن کے افاداتِ عالیہ، (درس حدیث کی کوئی تقریر، کوئی تحریر، کوئی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ تصنیف، کوئی خط، یا کوئی مضمون، یا اُن کی کوئی عوامی تقریر) غرض کہ جو کچھ بھی اُنکے پاس ہو، اُسے "ادارۂ ھادی" تک پہونچا دیں، ادارہ پوری حفاظت اور ذمّہ داری کے ساتھ اُن چیزوں کی اشاعت اور

بعد فراغت اصل مسودہ بھیجنے والے محسن کو واپس کردیگا۔

(۲) ہندوستان و پاکستان، جنوبی، مغربی افریقہ میں اہلِ علم حضرات اپنے حلقۂ اثر میں اِس علمی، دینی خدمت کو زائد سے زائد مقبول بنانے کی کوشش کریں، دینی کاموں سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو "ادارہ ہادی" کا ممبر بنائیں۔ اور اُنہیں کے ہمدردانہ تعاون کو اس فعال اور سرگرم کار ادارہ سے وابستہ کریں۔ اِس طرح پوری تیز رفتاری کے ساتھ ادارۂ ھادی کے لئے ایسا ماحول پیدا کردیا جائے کہ وہ سہولت و آسانی کے ساتھ اِس تاریخی خدمت کو انجام دیسکے۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر

شاہ منزل، دیوبند

ابتدائی حالات

پیدائش!

علامہ جلیل علیہ الرحمت کی پیدائش ۲۷ر شوال المکرم ۱۲۹۲ھ صبح کے وقت شنبہ کے دن موضع دودھوان، لولاب علاقہ کشمیر جنت نظیر میں ہوئی، اور وہیں پرورش پائی۔

موضع دودھوان علاقہ لولاب میں قصبہ کپسواڑہ کے بالکل سامنے ہے یہ سارا علاقہ اس وقت ہندوستان میں شامل ہے۔

وطن مبارک!

آپ کا آبائی وطن "بغداد" تھا۔ اب سے دو سو سال پہلے آپ کا مقدس خاندان بغداد شریف سے ہندوستان چلا آیا۔ اور سب سے پہلے شہر ملتان میں قیام کیا، لاہور پہونچے، پھر کاشمیر جنت نظیر کو اپنا مستقل گھر اور جائے سکونت بنالیا۔

نسبی سلسلہ!

علامہ جلیل فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب

خاندانِ سادات میں سے تھے، آپ حضرت مولٰنا سید معظم شاہ
بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ محمد عارف
بن شاہ محمد حیدر بن شاہ علی بن شاہ عبداللہ بن شاہ محمد مسعود کاشمیری
رحمہم اللہ تعالیٰ کے فرزند ارجمند تھے، اور آپ کا یہ سلسلہ چند
واسطوں سے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاکر ملجاتا ہے۔

تعلیم و تربیت!

آپ بچپن ہی سے بہت زیادہ ذہین، طباع، دور رس تھے
اور ذکاوت و فطانت خدا داد حاصل تھی، آپ نے صرف ساڑھے
چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد بزرگوار حضرت مولٰنا محمد معظم شاہؒ
سے قرآنِ کریم پڑھنا شروع کردیا اور چھ برس کی مدت میں اتنی عطیات
الٰہی کی بارش برسی کہ تعلیمِ قرآن کے ساتھ ساتھ چند فارسی کی کتابیں
بھی ختم فرمالیں اور جو کچھ باقی رہ گئیں وہ مولانا غلام محمد صاحب
صوفی پورہ سے مکمل ہو گئیں۔۔

آپ کی ذکاوت و ذہانت بچپن ہی سے بے مثل تھی اور لیاقت و
استعداد کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے والد ماجد مرحوم مغفور سے
مختصر القدوری پڑھا کرتے تھے تو اُن سے ایسے سوالات کر بیٹھتے تھے
جن کا جواب دینا کافی علمی مطالعہ کے بغیر مشکل تھا، جب وہ آپ کو

صحیح معنوں میں مطمئن نہ فرما سکے تو ایک دوسرے عالم کے پاس آپ کو بھیجدیا، اور نو سال کی عمر میں آپ نے علم فقہ اور علم نحو کی بڑی بڑی کتابیں مکمل فرمالیں۔

ھزارہ کیلئے روانگی!

ابھی مشکل سے چودہ سال کی عمر ہوئی ہوگی کہ مزید علوم الٰہی حاصل کرنے کا اس درجے شوق بڑھا کہ اپنا عزیز وطن، عزیز و اقارب گھر کا آرام و راحت چھوڑ کر غریب الوطنی پر آمادہ ہوگئے اور کاشمیر سے ہزارہ پہونچ گئے۔ تین ۳ سال ہزارہ میں رہے اور وہاں کے علماء سے بقیہ عربی علوم کی تکمیل فرمائی۔

دار العلوم دیوبند میں تشریف آوری!

جب "ہزارہ" کے علماء سے استفادہ فرما چکے تو طلب علم کی پہلے سے زیادہ تمنائیں ابھر آئیں اور گلستانِ ہزارہ سے طبیعت اُچاٹ ہوگئی، اور ۱۳۰۸ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند کی شہرت سُنکر دیوبند چلے گئے۔

"دار العلوم دیوبند" روز اوّل ہی سے محدثین کا مرکز، اور دینی، علمی، روحانی علوم کا چشمہ بنا ہوا ہے۔

جس زمانہ میں آپ دیوبند تشریف لائے اُس زمانہ میں مسندِ تدریس پر حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ جیسی باکمال ہستی دارالعلوم کی سرپرستی فرمارہی تھی، چنانچہ چار سال دارالعلوم کی نورانی وادی میں آپ کا قیام رہا، اور بیس اکیس ۲۱ سال کی عمر میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے، سند حدیث شریف حاصل فرمائی اور آپ کی علمی معلومات، وسیع النظری، اور حافظہ کی بدولت دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میں امتیازی شہرت ومقبولیت بڑھتی چلی گئی۔

اسکے بعد حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، حضرت مولانا محمد اسحاق محدث مہاجر مدنی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب محدث ہزاروی کے علمی فیوض سے استفادہ فرمایا۔ اور سند حدیث شریف حاصل فرمائی۔

گنگوہ شریف کیلئے روانگی!

جب آپ دیوبند، اور اکابر دیوبند سے علمی استفادہ فرما چکے تو پھر گنگوہ شریف تشریف لے گئے، اور قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ جو اپنے وقت کی بزرگترین ہستیوں میں سے تھے اُن کے دربار عالی سے سند حدیث حاصل فرمائی۔ اور

ظاہر و باطنی علوم کی تکمیل کے بعد سلوک و طریقت کے مدارج طے فرمائے اور حضرت گنگوہی علیہ الرحمت سے بیعت ہو کر خلیفہ اور ان کے مجاز بنے آپکی شخصیت ہر اعتبار سے ایک شیخ یگانہ کی تھی اور بہت سے حضرات آپ سے بیعت ہوئے۔

علمی مشاغل

مدرسہ عالیہ امینیہ کی صدر مدرسی!

دار العلوم دیوبند اور گنگوہ شریف سے فراغت کے بعد دہلی میں کافی عرصہ آپ کا قیام رہا۔ اور خدمت حدیث کا سب سے پہلا فخر سرزمین دھلی کو حاصل ہوا، اور علوم و معارف کے دریا بہنے لگے اور شائقین اسرار و حقائق جوق در جوق جمع ہو گئے، تقریباً پندرہ ۱۵ سال تک یہ درس تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر اپنی کسی خاص ضرورت کے تحت وہاں سے کاشمیر چلے گئے۔ مدرسہ امینیہ میں اس زمانے میں حضرت شاہ صاحبؒ صدر مدرس، اور مولٰنا مفتی کفایت اللہ مرحوم مدرس دوم تھے۔

زیارتِ بیتُ اللہ!

دہلی سے وطن جانے کے بعد کچھ دن کشمیر میں قیام رہا،

اِس کے بعد اپنے چند اہلِ علم ساتھیوں اور قصبہ بارہمولہ (کشمیر) کے مشہور رئیس خواجہ عبد الصمد صاحب ککرو کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حجاز تشریف لے گئے، اور مدینہ منورہ میں حضرت مولٰنا شیخ حسین طرابلسی سے حدیث شریف کی سند حاصل فرمائی اور اسکے علاوہ طرابلس، بصرہ، مصر اور شام کے تمام علماء نے آپ کی بڑی عزت و توقیر فرمائی اور آپ کی علمی استعداد، معلومات، حافظہ، ذہانت کو سراہا، اور سند حدیث عطا فرمائیں

مدرسہ فیض عام کی بنیاد

فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد آپ کشمیر چلے گئے اور وہاں کے علماء کے اصرار پر بارہمولا میں مدرسہ فیض عام نامی دینی ادارہ قائم کیا، اور تین سال وہیں طالبانِ حدیث رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی علمی پیاس بجھانے میں مصروف رہے۔

دار العلوم کا جلسہ دستار بندی!

پھر اتفاق سے دار العلوم کے دستار بندی کا جلسہ ہونے لگا اور اس موقع پر آپ کو بھی بلالیا گیا۔ آپ تشریف لائے، اکابر سے مِلے، دستار بندی ہوئی۔ جب واپسی کا علم ہوا، دار العلوم کے ارباب حل وعقد اور اکابر نے، جانے سے روک لیا، اور اِس طرح دار العلوم

میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ چنانچہ کئی سال تک صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد کا درس دیتے رہے۔

والدہ ماجدہ کا انتقال پُر ملال!

کچھ عرصے بعد والدہ ماجدہ کی بیماری کی اطلاع پر کاشمیر تشریف لے گئے، مگر جلد ہی والدہ ماجدہ کے سپرد خاک کرنے کے بعد دیوبند واپس آ گئے۔

دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی

حضرت شیخ الہندؒ شروع ہی سے آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے، اور دل سے چاہتے تھے اور اس فکر میں تھے کہ کسی طرح آپ مستقل طور پر دیوبند رہ جائیں۔ آپ ہی نے انھیں شادی کرنے کی نصیحت فرمائی تھی، آپ تنہائی کی زندگی بسر کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ ہی نے بخاری شریف کا درس دینے کیلئے آپکو مقرر فرمایا تھا جسے آپ تا دم حیات انجام دیتے رہے، اور جب سفر حج کا ارادہ فرمایا، تو آپ ہی کو اپنی جانشینی کا فخر عطا فرمایا تھا۔

چنانچہ دارالعلوم کی مسند صدارت پر کئی سال تو آپ کی حیات میں اور چودہ پندرہ سال آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد جلوہ فرمارہے بخاری شریف اور جامع ترمذی پڑھانے کا کام آپ کے ذمہ تھا۔

علامہ جلیل علیہ الرحمت سب سے زیادہ دلچسپی اور توجہ حدیث شریف پڑھانے میں لیا کرتے تھے، اور حدیث نبوی کی فصاحت و بلاغت، قرآنی آیات سے حدیث نبوی کی تشریح اور رواۃ حدیث کی طرف خصوصیت سے توجہ دیتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ درحقیقت علم کا ایک بحرِ ذخار تھے، تقریر آہستہ آہستہ فرماتے تھے، اردو زبان کے مقابلہ میں عربی زبان کے الفاظ آپ کی زبان پر زیادہ چڑھے ہوئے تھے۔

اسی لئے فصاحت و بلاغت، سلاست زبان اور زورِ تقریر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو آپ پر فضیلت حاصل تھی لیکن تبحر علمی میں حضرت شاہ صاحبؒ کا مرتبہ علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ سے کہیں زیادہ اونچا تھا۔

شادی خانہ آبادی!

اہلِ دیوبند کو ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں حضرت شاہ صاحبؒ دار العلوم کو چھوڑ کر کہیں اور نہ چلے جائیں چنانچہ انہوں نے آپ کو دیوبند ہی میں مستقل طور پر رکھنے کے لئے گنگوہ شریف کے ایک معزز خاندان میں آپ کی شادی کرانے کی اسکیم مرتب کی۔ اس اسکیم کے کرتا دھرتا حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ تھے۔

اہلِ یمن نے بھی حضرت معمرؒ کے ساتھ جو بصرہ کے تبع تابعین سے تھے، اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے، ایسا ہی طریقہ اختیار کیا تھا اہلِ یمن یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت معمرؒ یمن سے دوبارہ بصرہ تشریف لیجائیں، کیوں کہ اِس طرح یمن کے باشندے آپ کی علمی بصیرت اور تبحّرِ علمی سے فیضیاب ہونے سے رہ جائینگے، اِسی لئے یمن والوں نے حضرت معمرؒ کی یمن ہی میں شادی کرادی تھی۔

یہی صورت حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ پیش آئی کہ اہلِ دیوبند نے سادات گنگوہ میں آپ کی شادی کراکے ہمیشہ کے لئے آپ کو دیوبند میں مقیّد کرلیا تھا چنانچہ ۱۳۴۵ھ ہجری تک آپ کا درس دیوبند میں جاری رہا اور آپ برابر دارالعلوم میں حدیث نبویؐ کا درس دیتے رہے، اور دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد بھی دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ و طلباء آپ سے برابر مستفیض ہوتے رہے۔

جامعہ ڈابھیل میں نزولِ اجلال!

یوں تو ہر دور میں کسی مرکزی ادارہ کے کارکنوں میں جہاں کچھ اچھے لوگ ہوتے ہیں وہاں بُرے لوگ بھی داخل ہوکر چلتی گاڑی میں رُکاوٹ ڈالتے ہیں، یہی حال ۱۳۴۵ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں پیش آیا، کہ بعض ایسے افراد جنکو دارالعلوم سے

کوئی لگاؤ نہیں تھا دارالعلوم کی ساکھ خراب کرنے پر تل گئے، اور مختلف طریقوں سے ضرر پہونچانے میں مصروف تھے۔ آپ سے یہ بھیانک منظر دیکھا نہ گیا، اور منصب صدارت کے تقاضے اور عنداللہ جوابدہی کے خوف سے اس کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا، لیکن حضرت مرحوم کو اپنی اس اصلاحی تحریک میں کامیابی نہ ہوئی، اور آپ خشیت الٰہی کے پیش نظر مجبور ہو کر چند علماء اور طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے ڈابھیل چلے گئے۔

آپ کے ساتھ دارالعلوم چھوڑنے والے اکابرین میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی، حضرت مولانا سراج احمد رشیدی، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی وغیرہ شامل تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے واپسی کے بعد اگرچہ تو آپ حیدرآباد، مدرسہ عالیہ امینیہ، ڈھاکہ اور کلکتہ یونیورسٹی، اور بہت سے مشہور و معروف اداروں نے معقول مشاہرہ پر آپ کی خدمات حاصل کرنے کی سعی فرمائی۔ لیکن اپنے ایک مخلص شاگرد حضرت مولانا الحاج محمد میاں سملکی افریقی کے توجہ دلانے پر آپ نے ایسے

خطے کو پسند کیا جہاں بے دینی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اور اپنی خدمات علاقہ بمبئی اور سرزمین گجرات کے لئے وقف فرمادیں۔

آپ کے گجرات جانے سے پہلے وہاں کی یہ حالت تھی کہ جب آپ پہلے پہل شہر سورت میں پہونچے اور آپ کی بزرگی و پاکبازی سے متأثر ہو کر سورت کی جامع مسجد میں نماز پڑھانے کی خواہش کی گئی اور آپ فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد ڈابھیل کے لئے روانہ ہو گئے تو وہاں کے لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ دیوبندی عقائد کے تھے، یہ معلوم کر کے مسجد دھلوائی گئی اور پورے علاقے میں شور مچ گیا۔

یہ آپ ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے کہ آج بمبئی اور پورے گجرات میں اسلامی پرچم لہرا رہا ہے، اور ہر طرف جماعت دیوبند کے اثرات ظاہر ہیں۔

جب آپ دارالعلوم سے ڈابھیل چلے گئے تو آپ کے جانے کے بعد منتظمین دارالعلوم بڑے متأثر ہوئے اور کچھ عرصہ بعد آپ جن امور کی اصلاح چاہتے تھے وہ ساری خامیاں دور کر دی گئیں، بعض غلط کارکن خود چلے گئے، اور بعض کو علیحدہ کر دیا گیا۔ آپ دارالعلوم سے جانے کے بعد بھی یہاں کے شیدائی رہے اور یہاں کے اکابر و اصاغر کو دل سے چاہتے رہے، آپ کے تعلق کا یہ عالم تھا کہ جب آپ شدید بیمار تھے اور

کمزوری اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ہر دس قدم پر چلتے چلتے بیٹھ جایا کرتے تھے اسی دوران میں حضرت مولانا الحاج حافظ محمد احمد سابق صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کی خبر آپ کو ملی تو آپ اتنی کمزوری کے باوجود ایک دم کھڑے ہوگئے، اور کسی سواری کے بغیر ہر دس قدم پر بیٹھتے اٹھتے باب قاسمی تک پہونچ گئے، اور دروازہ کے سامنے سڑک پر بیٹھ کر یہ فرمایا کہ

"مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ اسی در سے ہوا ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس گھر سے ملا ہے"۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو اخیر عمر تک دارالعلوم، اور اکابر دارالعلوم سے کس درجے تعلق باقی رہا ہے، یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آپ اپنے وقت کے امام فن، زبردست محدث، اور فقیہ تھے، ہندوستان سے لیکر چین وبخارا، اور دنیائے اسلام کا ہر ایک گوشہ آپ کا خوشہ چیں رہا ہے اور آپ کے تبحر علمی کا معترف ہے، اور آج بھی دنیائے اسلام کے تمام خواص آپ کے علمی ذخیروں سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

آپ کی عظمت اکابر کی نظر میں!

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رح نے فرمایا کہ ایک عیسائی فلسفی نے اسلام کی حقانیت کی

یہ دلیل دی ہے کہ غزالی جیسا محقق اور مفکر مذہبِ اسلام کو سچا مذہب مانتا ہے۔

اِس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد حضرت حکیم الامت رحؒ نے ارشاد فرمایا کہ "اِس زمانہ میں مولٰنا سیّد محمدؐ انور شاہ کاشمیریؒ کا مسلمان ہونا اِس بات کی دلیل ہے کہ اسلام حق پر ہے"

کیوں کہ حضرت شاہ جیسا محقق عصر اور یگانہ روزگار عالم اسلام کو حق جانتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔

جمالِ ظاہری!

شاہ صاحبؒ کو اللہ تبارکؐ تعالےٰ نے حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حُسنِ صورت سے بھی عطا فرمایا تھا، اگر ایک طرف آپ علم کی ایک چلتی پھرتی لائبریری اور بحرِ ذخار تھے، تو دوسری طرف حُسن و جمال میں بھی یکتا تھے، سپید کھلا ہوا رنگ، چوڑا چکلا سینہ، لمبا لیکن کشیدہ قد بھرا ہوا جسم، فراخ کُشادہ پیشانی، ستواں ناک، بڑی بڑی آنکھیں، نرم و نازک جلد۔

الغرض آپ حُسن و جمال کا ایک مُرقّع تھے، بڑے سے بڑے مجمع میں بھی لوگ آپ کو پہچان جاتے تھے، کہ یہی سب سے بڑا عالم ہے، اسکی وجہ

یہ تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص جاذبیت عطا فرمائی تھی،
اور علمی و روحانی فیض کی شعاعیں آپ کے چہرۂ مبارک سے اس طرح ہویدا تھیں
کہ جو کوئی ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتا پھر چہرۂ مبارک سے اپنی نظر نہ اٹھاتا
آپ بڑے حلیم اور کم گو تھے، بلا ضرورت بات کرنے کے عادی نہ تھے۔
اور یہی ایک عالم کی نشانی ہے کہ اس کی ہر بات سے وقار ٹپکتا ہے
اور وہ بلا ضرورت باتیں کرنا پسند نہیں کرتا، ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا
ہے کہ ایک شخص حسن سیرت اور حسن صورت دونوں میں یکتا ہو۔
لیکن اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو حسن سیرت اور حسن صورت
دونوں سے نوازا تھا .... شاہ صاحب
کے علمی اور صوری محاسن کی بدولت ہر شخص آپ کی طرف کھنچتا تھا۔

حافظہ اور قوتِ یادداشت!

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اس لئے عقل و فہم عطا کی ہے
کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے، اور حافظہ اور یادداشت کی قوت اسلئے عطا
کی ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات و دنیاوی معاملات کو
اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے شاہ صاحب کو غیر معمولی قوتِ حافظہ

اور یادداشت سے سرفراز فرمایا تھا، اگر اُنہیں اپنے وقت کا امام زہری کہا جاوے تو عین مناسب ہوگا۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ کا حافظہ اتنا عمدہ تھا کہ جو بات ایک دفعہ اُن کے کان میں پڑ گئی وہ کسی طرح نہ بھولتے تھے، اسلئے وہ جب مدینہ منورہ کے بازاروں سے گذرتے تو کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتے مبادا بازار کی خرافات اُن کے دماغ پر نقش نہو جائے۔

چنانچہ شاہ صاحبؒ نے ایکدفعہ فرمایا کہ انہوں نے فتح القدیر کو جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے چھبیس ۲۶ روز میں ختم کیا اور اب چھبیس سال گذر جانے کے باوجود دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی اور اب جو بھی مضمون میں بیان کروں گا اُس میں بہت کم فرق پایا جائے گا۔

شاہ صاحب حدیث شریف کا درس دیتے تو حدیث شریف کی کتابیں اپنے پاس رکھ لیتے تھے، اور جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے تو زبانی حوالے کے علاوہ کتاب سے بھی حوالہ دیا کرتے۔

چنانچہ دورانِ درس میں وہ کتاب سے حوالہ دینے کے لئے جب کتاب کھولتے تو عموماً وہی صفحہ کھلتا جس پر وہ حدیث ہوتی، جس کا آپ کو حوالہ دینا ہوتا تھا، اگر اصل صفحہ نہ بھی کھلتا تو یا تو وہ دو چار صفحے پہلے ہوتا یا دو چار صفحے بعد۔ شاہ صاحب کو چالیس؟،

پچاس ہزار عربی کے اشعار یاد ہوں گے۔ جب کبھی تشریح کے طور پر وہ
کوئی شعر بطور حوالہ پڑھنا چاہتے تو بجائے اُس ایک شعر کے پڑھنے کے
جس کا وہ حوالہ دینا چاہتے تھے، پوری کی پوری نظمیں جن میں بیس۲۰
بیس، پچیس۲۵ پچیس۲۵ اشعار ہوتے تھے، نہایت روانی کے ساتھ
پڑھتے چلے جاتے تھے۔ جب کسی کو چھان بین کے باوجود کوئی چیز
نہ ملتی یا مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو وہ شاہ صاحبؒ سے رجوع کرتا،
اور شاہ صاحب منٹوں میں اُس کی تمام مشکلات دور کر دیتے۔

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو فوائد التنزیل
لکھتے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق صحیح روایات چھان
بین و کاوش کے باوجود بھی نہ مل سکیں۔ جب ہر طرف سے انھیں
مایوسی ہوئی، تو وہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شاہ صاحب اُن دنوں کچھ علیل تھے، علامہ عثمانیؒ نے
شاہ صاحبؒ کو اپنی الجھن بتائی، شاہ صاحبؒ نے اُن سے فرمایا
"مستدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک
روایت نقل کی ہے، اُس کا مطالعہ کیجئے، انشاءاللہ تمام اُلجھن
دُور ہو جائے گی"۔ چنانچہ علامہ عثمانیؒ نے مستدرک کا مطالعہ
کیا، اور اپنے مقصد کو پالیا۔

لطافت و مزاح!

حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی لطیف طبیعت پائی تھی، اور ساتھ ہی مزاح کا عنصر بھی موجود تھا، آپ بہت صاف اور اُجلے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے، کھانے پینے کے معاملے میں بھی بہت حد تک اس کے قائل تھے۔ چنانچہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں بیماری کا بھی خیال نہ کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ جس چیز کو طبیعت پسند کرتی ہو، وہ نقصان کیا دیگی۔ عموماً پرندوں کا گوشت پسند فرماتے تھے، جو چیز پسند آجاتی بس اُسی سے پیٹ بھر لیتے تھے، دوسری چیزوں کی طرف چاہے وہ کتنی ہی عمدہ اور لذیذ کیوں نہ ہوتی مطلق توجہ نہ فرماتے، جو چیز میسّر آجاتی اُسے خوشی سے نوش فرما لیتے تھے، چون وچرا کے قائل نہ تھے، دسترخوان پر بڑے بڑے علمی معرکے ہوتے اور رموز سجھلائے جاتے

ایک دن عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ یکایک کتاب بند کردی اور کہا "جب بھائی شمس الدین ہی چلے گئے تو اب سبق میں کیا لُطف رہ گیا چلو تم بھی اپنے گھر کا راستہ لو" سب لوگ حیران و پریشان رہ گئے کہ بھائی شمس الدین کون تھے اور وہ کب چلے گئے؟ جب حضرت شاہ صاحبؒ نے لوگوں کی حیرانی

کو دیکھا تو غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف اِشارہ کر کے فرمانے لگے "جاہلو! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں، اندھیرے میں سبق پڑھکر کیا کروگے اُس میں تو لطف نہیں آئے گا۔"

ایک مرتبہ ایک صاحب جو دیندار لوگوں میں سے تھے اور کلفیوں کا کاروبار کیا کرتے تھے، کلفیاں لیکر آئے، محفل میں شاہ صاحبؒ کے علاوہ اور بھی بزرگ ہستیاں موجود تھیں، جب سب لوگ کلفیاں کھا چکے تو شاہ صاحب نے اُن سے فرمایا "بھئی آپ اِن کلفیوں کی تجارت میں ایک مہینے میں کتنا پیدا کرتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "یہی کوئی ساٹھ روپے ماہانہ" اِسی پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا "تو پھر تمہیں دار العلوم کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں"۔ یہ بات شاہ صاحبؒ نے اِسلئے فرمائی تھی کہ اُن دنوں آپ دار العلوم کے صدر مدرس تھے، اور اُن کی تنخواہ کُل ساٹھ روپے ماہوار تھی۔

ایک دفعہ دورانِ درس میں نابالغ کی امامت کا مسئلہ چھڑ گیا کہ آیا نابالغ کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ شاہ صاحب نے فرمایا، مسئلہ تو یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ لیکن بعض اوقات ہو جاتی ہے، پھر فرمانے لگے، کبھی تم نے ایسا بھی آدمی دیکھا ہے جو بوڑھا بھی ہو اور پھر بھی نابالغ ہو؟ پھر خود ہی فرمانے لگے

پیرِ نابالغ میں ہی ہوں کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی لیکن ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں۔

الغرض شاہ صاحب نے نہایت لطیف و نازک مزاج پایا تھا۔ چونکہ مزاج میں مزاحیہ عنصر بھی موجود تھا، اسلئے اکثر علمی رموز مزاحیہ انداز میں بیان کیا کرتے تھے لیکن مزاح میں عامیانہ پن سے ہمیشہ گریز فرماتے تھے۔

عادات و خصائل!

شاہ صاحب کو اللہ تبارک و تعالے نے حسن اخلاق کی خوبی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے پاکیزہ اخلاق و عادات کی وجہ سے ہر کوئی آپ کو عزیز رکھتا تھا، چھوٹا ہو یا بڑا، ہر ایک کا خیال رکھتے تھے، کیا مجال جو کبھی کسی کو آپ کی باتوں سے ٹھیس لگی ہو، لوگوں کے جذبات کی قدر کرنا آپ کو خوب آتا تھا۔ چنانچہ آپ اس خوبی سے بات کرتے کہ مقصد بھی حل ہو جاتا، اور سُننے والے کو آپ کی بات گراں بھی معلوم نہ ہوتی۔

چنانچہ ایک دفعہ شاہ صاحبؒ امرتسر تشریف لے گئے، شاہ صاحبؒ کی شہرت سُنکر بہت سے لوگ آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اُن میں ایک مشہور و معروف بیرسٹر بھی تھے، بیرسٹر صاحب داڑھی مونچھیں نہ رکھتے تھے، اسلئے شاہ صاحبؒ کے سامنے بیٹھنے سے کتراتے تھے،

شاہ صاحبؒ نے بیرسٹر صاحب کی حالت کو بھانپ لیا، اور فرمانے لگے بیرسٹر صاحب! آپ تو بلاوجہ شرمندہ ہو رہے ہیں، اگرچہ ہمارا فعل مختلف ہے لیکن ہم دونوں کا مقصود و منتہیٰ دُنیاداری ہی کرنا ہے، اگر میرے داڑھی نہ ہو تو مجھے کوئی بھی روٹی نہ دے اور اگر آپ داڑھی رکھیں تو آپ کو بیرسٹر کون مانے، اسلئے آپ کو شرمندہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں

ایکمرتبہ ایک صاحب کے یہاں شاہ صاحب کی دعوت تھی، خُدا کا کرنا کیا ہوا کہ دعوت کے وقت بارش ہونے لگی، شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب سے فرمایا، مولوی محمد حسن صاحب! فلاں صاحب نے آج ہماری دعوت کی ہے، اُن کے گھر چلنا ہے، محمد حسن صاحب نے فرمایا، شاہ صاحب! اِسوقت تو بارش ہو رہی ہے، کھانا یہیں پر منگوا لیجیے گا۔ شاہ صاحب نے فرمایا، بھائی محمد حسن صاحب! ایسا نہیں ہو سکتا، میرے ایک مخلص نے دعوت کی ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں وہاں جانے سے رُک جاؤں۔ چنانچہ شاہ صاحب بارش ہی میں نکل پڑے، راستہ میں میزبان صاحب سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُنہوں نے لاکھ کہا کہ شاہ! کھانا درِ دولت پر پہونچا دیا جائے گا۔ لیکن شاہ صاحب نہ مانے، اور بارش ہی میں اُن کے گھر جا کر کھانا تناول فرمایا۔ اِس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ

لوگوں کے جذبات کی کتنی قدر کرتے تھے۔

بعض اوقات آپ کو تکلیف بھی اٹھانا پڑتی، لیکن اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی وجہ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے اپنی تکلیف کا مطلق ذکر نہ فرماتے، اور خندہ پیشانی سے ہر تکلیف کو برداشت کر لیتے۔

عزتِ نفس اور رواداری!

حضرت شاہ صاحبؒ میں خودداری، اور مساوات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شاہ صاحبؒ کو بچپن سے دارالعلوم دیوبند سے شغف تھا، دارالعلوم کے بہی خواہ بھی یہی چاہتے تھے، کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دارالعلوم ہی سے وابستہ ہو جائیں۔

اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے آپ کی شادی گنگوہ کے ایک سادات خاندان میں کرا دی تھی، پھر ۱۳۳۳ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے نظر بند ہو جانے کے بعد شاہ صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس مقرر کیا۔ دارالعلوم کی انتظامیہ نے بہت سے اصلاحی کام کئے۔

دہلی میں نظام حیدر آباد میر آصف جاہ سابع آئے ہوئے تھے اُنہوں نے شاہ صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ شاہ صاحب

دیوبند سے دہلی تشریف لائے۔ نظام نے آپ کو فوراً اندر بلایا۔
شاہ صاحبؒ نے سیدھے سادے طور پر السلام علیکم فرمایا
نظام نے بڑی قدر و منزلت سے آپ کو خوش آمدید کہا۔
کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں جو زیادہ تر علمی تھیں، اُن دنوں دیوبند
سے ایک اخبار "مہاجر" نکلا کرتا تھا، یہ اخبار ہفتہ وار تھا،
اخبار کے ایڈیٹر نے ملاقات کی خبر چھاپنی چاہی، شاہ صاحبؒ
کو عُنوان کی اطلاع دی گئی، جو مندرجہ ذیل تھا:۔

"بارگاہِ خسروی میں علامۂ کشمیری کی باریابی"

شاہ صاحبؒ کو یہ عنوان بالکل پسند نہ آیا، اُنہوں نے فرمایا۔
سیدھی سادی بات لکھو "نظام اور انور شاہ کی مُلاقات"۔
نوابؔ فیض الدین ایڈوکیٹ کی صاحبزادی کی شادی تھی، شاہ صاحب
صرف شادی میں شرکت کی غرض سے حیدر آباد آئے ہوئے تھے،
کچھ لوگوں نے چاہا کہ شاہ صاحب اور نظام کی ملاقات کرادی جائے،
نظام بھی چاہتے تھے کہ شاہ صاحبؒ کی مُلاقات سے فیضیاب
ہوں۔ لیکن شاہ صاحب نے ایک نہ سُنی اور نظام سے ملنے کی
درخواست کو یہ کہہ کر ٹلا دیا کہ میں حیدر آباد صرف نواب فیض الدین
صاحب کی لڑکی کی شادی میں شرکت کیلئے آیا ہوں اور اس کے

علاوہ اور کوئی مقصد اِس سفر سے وابستہ کرنا نہیں چاہتا۔

چنانچہ آپ نے نظام سے مُلاقات نہ کی۔ اِسی طرح ایک مرتبہ سر اکبر حیدری نے شاہ صاحبؒ سے ملنے کی خواہش کی۔ یہ اُنھیں دِنوں کا واقعہ ہے، جب شاہ صاحب نواب فیض الدین ایڈوکیٹ کی صاحبزادی کے سلسلے میں حیدر آباد میں اُن کے مکان پر ہی ٹھیرے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا، اُن سے کہہ دو کہ ہیں یہیں ہوں، اگر اُنھیں ملنا ہو تو یہیں آ کر مل لیں۔ سر اکبر حیدری نے گذارش کی کہ میں آنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر تنہائی میں مُلاقات ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔ شاہ صاحبؒ نے سر اکبر حیدری کو کہلا بھیجا کہ یہ ناممکن ہے، کہ میں اُن کی وجہ سے حاضرین مجلس کو اُٹھ جانے کو کہوں یا خود مجلس سے اُٹھکر چلا جاؤں۔

عُلوم وکمالات!

حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالےٰ نے وہ علم وفن عطا فرمایا تھا جو بہت ہی کم لوگوں کو عطا ہوتا ہے، شاہ صاحبؒ مجتہد عصر و

امامِ فن ہونے کا اِس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ جیسی عظیم ہستی کے جانشین اوّل اور دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ آپ نے شیخ الہند مولٰنا محمود الحسنؒ اور قطبِ دوراں مولٰنا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث نبویؐ کی سندات حاصل کیں، زیارت حرمین شریف کے دوران میں آپ دُنیا کے دوسرے علماء و فضلاء سے ملے، اُنہوں نے آپ کے تبحرِ علمی و ہمہ دانی کو سراہا اور سندات عطا فرمائیں۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی آپ کی علمی بصیرت سے بخوبی واقف تھے، اور صدقِ دل سے چاہتے تھے کہ آپ دیوبند سے وابستہ ہو جائیں۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے عِلم و فن کے اِس بحرِ ذخّار کو دار العلوم دیوبند کی سیرابی و شادابی کیلئے ایسے بند ھنوں میں جکڑا کہ بالآخر آپ وہیں کے ہو رہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے فرمایا ہے، کہ "میں نے ممالکِ اسلامیہ کے بہت سے علماء و فضلاء سے علمی مسائل پر گفتگو کی لیکن تبحرِ علمی، ہمہ دانی، وسعتِ معلومات، نقلی علوم یعنی قرآنِ کریم و حدیثِ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ سلم، اور عقلی علوم یعنی فلسفہ، تاریخ، ہیئت وغیرہ میں شاہ صاحبؒ جیسا کوئی عالم فاضل نہیں پایا۔" نہ صرف یہ کہ شاہ صاحب کا مُطالعہ وسیع و

جامع تھا بلکہ اُن کی نظر میں گہرائی و وسعت بھی تھی، قدیم و جدید دونوں سے واقفیت تھی، جدید علوم پر مصر سے جو کُتب شائع ہوتی تھیں آپ طلباء کو اُن کے مُطالعے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے، تاکہ وہ قدیم و جدید علوم پر یکساں طور پر حاوی ہوسکیں اور زمانے کی رفتار کا ساتھ دے سکیں۔

یہ امر شاہ صاحبؒ کے کثیر المطالعہ ہونے اور دقتِ نظر رکھنے کا ثبوت ہے کہ مصر کے مشہور اہلِ قلم و بلند پایہ مصنّف علامہ رشید رضا نے شاہ صاحب کی اس تقریر کو جو انہوں نے اُن کے آنے پر دیوبند میں کی تھی، سُنکر یہ کہا تھا کہ "اگر وہ سفر ہندوستان کے دوران میں مولٰنا سیّد محمد انور شاہ کشمیری سے مُلاقات نہ کرتے تو یہ سمجھتے کہ ہندوستان کے سفر سے انھیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا، اور وہ ہندوستان سے مایوس جاتے"۔

علاّمہ ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی شاہ صاحب کی علمی بصیرت، دقتِ نظر اور وسیع مُطالعہ کے قائل تھے۔ چنانچہ وہ اکثر شاہ صاحبؒ مختلف مسائل کے جوابات حاصل کرتے رہتے تھے، یہی نہیں بلکہ ڈاکٹر اقبال مرحوم یہ سمجھتے تھے کہ تمام عالمِ اسلام میں اگر کوئی عالم فقہ جدید کو مرتب و مدوّن کرسکتا ہے تو وہ شاہ صاحبؒ اور اقبال ہی کرسکتے ہیں۔ شاہ صاحب کے دارالعلوم سے استعفےٰ دینے سے

یہ اُمید بندھ چلی تھی کہ اَب شاہ صاحبؒ اور علامہ اقبال کا اشتراک تاریخِ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ کریگا۔ لیکن ہزار افسوس کہ شاہ صاحبؒ نے نہ جانے کن وجوہات کی بدولت لاہور آنا پسند نہ کیا۔ شاہ صاحبؒ علم و فضل میں اپنے وقت کے بخاری تھے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کی غیر حاضری اور اُن کی وفات کے بعد آپ کے ذمّے صحیح بخاری کا درس ہی رہا، اسکے علاوہ صحیح مسلم کا درس علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور سنن ابی داؤد کا درس مولانا سیّد اصغر حسین صاحبؒ کے ذمّے تھا، اور تادمِ حیات یہ حضرات اِسی طرح کام کرتے رہے، ان میں سے ہر ایک اپنے فن کا اِمام تھا۔

شاہ صاحب کا زیادہ تر وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا، چنانچہ ہر وقت کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ آپ کے ذہن میں گھومتا رہتا تھا، اِس پر ذہن اور یادداشت اِتنی عُمدہ پائی تھی کہ جو بات ایک دفعہ پڑھ لی وہ برسوں نہ بھولتی تھی، جو حوالہ جات آپ کتب حدیث کے زبانی سُنایا کرتے تھے، اُن میں بہت کم فرق ہوتا تھا۔ پھر جو مسئلہ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا، شاہ صاحب اُسکے حل کرنے کی ترکیب ذرا سی دیر میں بتا دیتے تھے۔

شاہ صاحب حدیث کے درس میں بھی کافی عرق ریزی و جانفشانی

سے کام لیتے تھے، محدّث کے لئے حافظہ اور یادداشت میں اکمل ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ صحیح معنوں میں محدّث نہیں بن سکتا، شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت وافر عطا کی تھی، پھر آپ میں بلا کا وقار، سنجیدگی رعب، متانت و جاذبیت تھی، جو آپ کو دوسرے علماء سے ممتاز کرتی تھی۔ الغرض شاہ صاحب علم وفضل و ہنر کا ایک ایسا سمندر تھے جس کی اتھاہ گہرائی اور وسعت کا اندازہ کرنا ایک عام انسانی عقل و فہم کے دائرہ سے باہر تھا۔

سیاسی نظریات!

دارالعلوم دیوبند کی حیثیت ایک مذہبی یونیورسٹی کی سی تھی، اس کے بانی اور بہی خواہوں کا یہ خیال تھا کہ اس دینی ادارے کو سیاسی سرگرمیوں، کشاکشی اور دھڑے بندیوں سے بچا کر خالص دینی خدمت انجام دینے کے لئے وقف کر دیا جائے تاکہ مسلمان اپنے مذہب اور اُس کے احکامات کو باحسن الوجوہ سمجھ سکیں اور اپنی زندگی کو اپنے اسلاف کی زندگیوں کا نمونہ بنا سکیں اور ایک بار پھر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پاسکیں۔ دارالعلوم کو سیاسی سرگرمیوں سے

بچانا اِس لئے بھی ضروری سمجھا گیا کہ اگر یہ ادارہ ایک سیاسی حیثیت اختیار کر گیا تو اُس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ برسرِ اقتدار جماعت یعنی انگریزی حکومت اس ادارے کی مخالف بنجائے گی، جس سے ادارے کی شہرت و ناموری اور مستقبل خطرے میں پڑجائے گا، لیکن یہ سہانا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، اور بالآخر سیاست کے قدم دار العلوم میں داخل ہو گئے۔ مولٰنا عبید اللہ سندھی جیسے تیز و گرم لیڈر نے دار العلوم کے اندر سیاست کو داخل کرنے میں کافی حصہ لیا۔ پھر شیخ الہندؒ مولٰنا محمود الحسن نے خلافت کے سلسلہ میں جو قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں اُس نے بھی دیوبند کے طلباء پر سیاسی رنگ چڑھا دیا۔ اُسوقت ہندوستان میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ مختلف سیاسی مسائل زیرِ بحث تھے، ان مسائل میں متحدہ قومیت کا مسئلہ، آزاد ہندوستان کی وفاقی حکومت کی صورت میں مسلمان اقلیت کے حقوق کا مسئلہ وغیرہ شامل تھے۔ شاہ صاحب ان مسائل کے متعلق ذاتی خیالات رکھتے تھے، انہوں نے متحدہ قومیت کے مسئلہ میں ہندو، مسلمان اور ہندوستان کی دوسری اقوام کو ایک متحد قوم تصوّر کیا اور جمعیۃ علمائے ہند کی پالیسی کی تائید کی۔ شاہ صاحب متحدہ قومیت کے اسلئے قائل تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہندو اور مسلمان متحد ہو کر ہی ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں،

لیکن افسوس کہ بعد کے حالات اور فسادات اور دشمنی نے خیالات بدل دئے اور دو قومی نظریہ اُٹھ کھڑا ہوا، اور پھر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

مذہبی خدمات!

حضرت شاہ صاحب نے مذہبِ اسلام کی جو ہمہ گیر خدمت انجام دی وہ اظہر من الشمس ہے، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی رشد و ہدایت کے لئے ہر دور میں اپنے پاک بندوں کو بھیجا، جنہوں نے اُنھیں بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کی طرف رغبت دینے کی تلقین کی۔ دینِ برحق سے ہٹ کر بہت سے لوگوں نے مذہبِ اسلام اور مُسلمانوں کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنا چاہا، اور بعض اوقات انھیں کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ لیکن بالآخر حق جھوٹ پر غالب آیا، اور مسلمان مجموعی طور پر بھٹکنے سے بچ گئے۔

فرقۂ باطنیہ جس کا بانی حسن بن صباح تھا اور خوارج نے مذہبِ اسلام کو کیا کیا نقصان نہ پہنچائے، بڑے بڑے علماء و فضلاء محدثین و مفسرین، امامِ فن بزرگوں کو تہہ تیغ کیا۔ ان فتنوں اور دوسرے فتنوں سے جو نقصان بحیثیت ایک قوم کے مُسلمانوں کو پہونچا اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اِسی قسم کا ایک فتنہ قادیانیت کا فتنہ ہے، یہ فتنہ

اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ ۱۳۴۷ھ ہجری میں اُٹھا، اور اُس نے تمام ہندوستان میں اپنا ناپاک اثر ڈالنا شروع کر دیا، بھولے بھالے اَن پڑھ لوگوں کو ہندوستان میں نہ جب کمی تھی اور نہ اب ہے جبکہ ہندوستان اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اور بھارت دو آزاد سلطنتوں میں بٹ چکا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ قادیانی فتنہ کا شکار ہو گئے۔ اس فتنہ کو انگریزی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی اور یہ لوگ بھی انگریزی حکومت کے قدم کو مضبوط کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

اس فتنہ کا مرکز قادیان مشرقی پنجاب میں تھا، اور اب ربوہ میں جو سرگودھا سے آگے واقع ہے منتقل ہو چکا ہے، یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جاہل لوگوں کے علاوہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ بھی جو عموماً مذہب اسلام سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے، اس فتنہ کا شکار ہو گئے تھے، ہندوستان کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک مثلاً مصر و شام و عراق وغیرہ میں بھی قادیانیوں نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جب یہ دیکھا کہ اُمتِ مسلمہ ایک سخت امتحان میں مبتلا ہے، جس میں اس کی تباہی کا بھی خطرہ ہے، تو انہوں نے قادیانی فرقہ کے غلط عقائد کی تردید میں ایک منظم مہم چلانے کا فیصلہ کیا شاہ صاحب نے اپنے تلامذہ سمیت ہندوستان کے مختلف شہروں کا

دورہ شروع کیا، اور مسلمانوں کو قادیانی فتنے سے بچنے کی تلقین کی۔ چنانچہ آپ نے پنجاب اور صوبہ سرحد کا دورہ کیا، قادیانی مقرروں سے مباحثے کئے، قادیان میں جاکر قادیانیوں کو صراطِ مستقیم دکھائی تاکہ کسی طرح سے یہ اُمت خدائے قدوس اور اُس کے پاک نبی خاتم النبیین حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرے۔ یہی نہیں، بلکہ آپ نے اپنے قابلِ فخر تلامذہ کی اعانت سے مختلف رسالے تردید قادیانیت میں عربی زبان میں شائع کئے، اور مصر وشام، اور دوسرے اسلامی ممالک میں اُن کی مفت تقسیم کی تاکہ یہ ممالک بھی قادیانی فرقہ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو اِس فتنۂ عظیم کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جگہ جگہ تبلیغی جلسوں کا انعقاد کیا گیا، رسالے اور کتابیں شائع کی گئیں، پیچیدہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

الغرض شاہ صاحب نے اپنی علالت، بڑھاپے اور علمی مشاغل کے باوجود دن رات اس فتنہ کی روک تھام میں صرف کردئے! انہوں نے ہندوستان کے دوسرے علماء وفضلاء کو اصلاح قوم کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد اُن کے شاگردوں نے اپنے اُستاد کے شروع کئے ہوئے کام کو جاری رکھا، اور اب بھی وہ اس

ضمن میں اپنے فرائض سے غافل نہیں ہیں، شاہ صاحب کو تردید قادیانیت سے کتنا لگاؤ تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے

حضرت شاہ صاحب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے، دیوبند تشریف لیجارہے تھے، دہلی سے گاڑی بدلنی پڑتی تھی، جس کی وجہ سے کافی دیر تک اسٹیشن پر قیام کرنا پڑتا تھا۔ شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے بہت سے لوگ اسٹیشن پر جمع تھے، دورانِ گفتگو میں شاہ صاحب کو پتہ چلا کہ قادیانیوں نے دہلی میں اپنا جلسہ منعقد کیا تھا لیکن کسی نے بھی اُن کے غلط عقائد کی تردید نہ کی، اُسوقت دہلی میں دیوبند کے بہت سے فاضل علماء موجود تھے، اگر وہ اپنے فرض کو پہچانتے تو تردید قادیانیت کے سلسلہ میں ضرور تقریریں کرتے، لیکن اُنہوں نے ایسا نہ کیا۔ جب شاہ صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو اُنھیں سخت رنج ہوا، اور اُنہوں نے مولٰنا سعید احمد اکبر آبادی سے مخاطب ہو کر فرمایا، صرف گالی سُننے ہی سے ایک شریف آدمی کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اُس کی توہین اِس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مرتبہ سے گری ہوئی بات سُنے، پھر اس کے بعد بطور دلیل یہ واقعہ سُنایا: کہ ایک اچھے کھاتے پیتے امیر گھرانے کے ایک شخص نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں زبرقان شاعر کی شکایت

کی کہ اُس نے اپنے اشعار میں میری شدید ہتک کی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے زبرقان سے جواب طلب کیا' زبرقان نے کہا، یا امیر المومنین! میں نے تو اپنے اشعار میں اس کی تعریف کی ہے' اسکی بُرائی تو نہیں کی' اور پھر امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شعر سُنایا' جس کو وہ کہتا تھا کہ اُس نے اُس شخص کی مدح میں لکھا ہے ؎

دع المکارم لا ترحل لبغیتہا	اقعد فانک انت الطاعم الکاسی
تو کارناموں کو چھوڑ دے	بیٹھ جا کیونکہ تو کھاتا پیتا آدمی ہے

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر سُنکر زبرقان شاعر سے کہا، یہ شخص ٹھیک کہتا ہے' تو نے اسکی سخت توہین کی ہے، ایک شریف آدمی کی اِس سے زیادہ اور کیا توہین ہو سکتی ہے' کہ اچھے کاموں کے حصول کو غریب لوگوں کے ساتھ خاص کر دیا جائے۔

اِس واقعہ کو سُنانے سے شاہ صاحب کا مطلب یہ تھا' کہ چونکہ دہلی کے علماء نے فرقۂ قادیانیت کی تردید کرنے میں غفلت برتی ہے جبکہ اُن پر قومی اور مذہبی نقطۂ نظر سے یہ کام کرنا ضروری تھا' تو اُس سے اُن کی عزت و توقیر کم ہو گئی ہے۔

تردید قادیانیت میں شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کارنامہ

بھاول پور کے مشہور تاریخی مقدمہ میں شہادت دینا تھا، یہ مقدمہ ایک مُسلمان عورت نے جو احمد پور شرقیہ ریاست بھاول پور کی رہنے والی تھی، اپنے شوہر کے خلاف دائر کیا تھا، اُس عورت کا یہ کہنا تھا کہ چونکہ اُس کا شوہر مرزائی ہوگیا ہے، اِس لئے میرا نکاح اَب فسخ ہوگیا ہے اُس عورت کا دعویٰ یہ تھا کہ چونکہ اُس کا شوہر مرزائی ہوگیا ہی اسلئے وہ مذہبِ اسلام سے خارج ہے اور ایک مذہبِ اسلام سے خارج آدمی کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

یہ مقدمہ کافی عرصے سے زیرِ سماعت تھا۔ ۱۹۳۳ء میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ اِس مسئلہ پر قادیانی اور غیر قادیانی علماء سے روشنی ڈالنے کو کہا جائے، تاکہ اُن کے بیانات کی روشنی میں مقدمہ کو صحیح طور پر فیصل کیا جا سکے۔ قادیانیوں نے اِس مقدمہ کو جیتنے کے لئے سَر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔

جب حضرت شاہ صاحبؒ کو اس مقدمہ کا علم ہوا تو وہ اپنے تلامذہ سمیت بنفسِ نفیس بھاولپور تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی تھے۔ کئی روز تک بیانات ہوتے رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت مدلل بحث کی اور فرقۂ قادیانیہ کے تردید میں ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

یہ حضرت شاہ صاحبؒ اور اُن کے ساتھیوں کی مساعیٔ جمیلہ کا ظہور تھا، کہ یہ مقدمہ بحق مدعیہ فیصل ہوا۔ الغرض شاہ صاحبؒ میں تبلیغ مذہب کا ایک صحیح جذبہ موجزن تھا۔

آج مسلمانوں کو راہِ راست پر لانے اور مذہبِ اسلام کی تبلیغ وترویج کے لئے اسی قسم کے جذبہ کی ضرورت ہے جو بدقسمتی سے ہمارے علماء میں دن بدن مفقود ہوتا جارہا ہے۔ علامہ اقبالؔ مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ!

شہرت وہردلعزیزی!

حضرت شاہ صاحبؒ ایک باکمال بزرگ تھے، اُن کی علمی حیثیت مسلم تھی، آپ کے اُستاد بھی آپ کے تبحر علمی، ہمہ دانی وسعتِ نظر، دقتِ نظر، تحقیق، جانفشانی، حسنِ اخلاق اور بے لوثی کے معترف تھے۔ شیخ الہند مولٰنا محمود الحسن صدر مدرس دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم ہستی بھی آپ کے حسن سیرت کی معترف تھی۔ چنانچہ شیخ الہندؒ نے سب سے پہلے آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور اُن کی وفات کے بعد دارالعلوم کا صدر مدرس بھی آپ ہی کو مقرر کیا

گیا تھا۔ شیخ الہندؒ کا جانشین اوّل، اور دارالعلوم کا صدر مدرس ہونا ہی آپ کی شہرت و ناموری کی کافی دلیل ہے، پھر جو کمال الجامع الصحیح، یعنی بخاری شریف کے پڑھانے میں آپ کو حاصل تھا وہ صرف آپ ہی کا حصّہ تھا۔ بخاری شریف کے پڑھانے میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا، کہ اس کمال کی بدولت درسِ حدیث نبویؐ میں آپ کو امام بخاریؒ کا نمونہ سمجھا جاتا تھا، پڑھے لکھے لوگ تو آپ کے مرتبے سے واقف تھے ہی، اسلئے اگر وہ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے، تو ایسی تعجب کی بات نہ تھی، لیکن عام لوگوں کو جو محبّت اور شیفتگی آپ کی ذات سے تھی وہی آپ کی شہرت و ناموری کی سب سے بڑی دلیل تھی، اور اس شہرت و ناموری میں آپ کی حسنِ سیرت کے ساتھ حسنِ صورت اور اخلاق و عادات کا بڑا ہاتھ تھا، ایک صحیح عالم کی طرح آپ میں سنجیدگی متانت، وقار، کم گوئی کی عادتیں پائی جاتی تھیں۔ اگر کوئی آدمی آپ سے کوئی سوال پوچھتا تو آپ اُس کے سوال کا جواب دیتے۔ لیکن اگر کوئی بے جا باتوں میں وقت گزارنا چاہتا، یا کسی کے خلاف گفتگو کرنا چاہتا تو آپ اُس سے کہتے، جاؤ ہم بھئی بے کار باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے۔۔۔ پھر آپ حتی الوسع کوشش کرتے کہ کسی کو آپ کی باتوں سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ لوگوں کے جذبات کا خیال رکھنا آپ کو خوب

آتا تھا، اگر نصیحت بھی کرنا چاہتے تو اس طرح سے کرتے کہ جس کو نصیحت کرتے اُسے یہ بھی گمان نہ ہوتا کہ شاہ صاحبؒ نے یہ بات میری طرف ڈھال کر کہی ہے، طلباء کے ساتھ بھی آپ کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا۔

الغرض ہر ایک آپ کے حسن سلوک کو دیکھکر آپ کا گرویدہ بنجاتا۔ جہانتک حُسنِ صورت کا تعلق تھا اللہ تعالےٰ نے ایسی صورت عطا فرمائی تھی کہ جو ایک بار آپ کی طرف دیکھ لیتا پھر اُس کا آپ کے چہرۂ مُبارک سے نظر اُٹھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ آپ کے چہرۂ مُبارک سے عجیب انوار کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔ یہ وہ محاسن تھے جن کی بدولت آپ کی ہر دلعزیزی صحیح اور واجب تھی۔

آپ کے شاگرد مولٰنا محمد انوری نے بیان فرمایا کہ:۔

ملتان کے اسٹیشن پر آپ گاڑی کے انتظار میں اپنے عقیدتمندوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک ہندو اسٹیشن ماسٹر لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آیا، اور دیر تک کھڑا ہوا حضرت شاہ صاحب کے نورانی چہرہ کو تکتا رہا، آخر اس نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جس مذہب میں ایسی نُورانی شکل و صورت کا

عالم ہو وہ مذہب یقیناً سچا ہے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم خود بڑے پائے کے فلسفی تھے، فلسفۂ قدیم وجدید پر اُن کی یکساں نظر تھی، علوم جدیدہ میں اُن کو کمال حاصل تھا، لیکن وہ بھی شاہ صاحب کی نگاہِ التفات کے خواستگاروں میں سے تھے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا، اور اس کا اعتراف اُنہوں نے خود بھی کیا ہے۔ جس کسی کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی چاہے اُس کا تعلق مذہب سے ہوتا، یا اخلاق سے، کتب حدیث یا کلام الٰہی سے، علم الکلام سے یا فلسفۂ قدیم وجدید سے اُسے حضرت شاہ صاحبؒ سے بہتر راہنما میسر نہ آتا تھا۔ وہ اپنے دن رات کے مجاہدے اور غیر معمولی حافظہ و یادداشت کی بدولت بڑے بڑے مسائل چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔

اَب آپ ہی بتائیے کہ ایک ایسی ہستی جو ہر ایک کے لئے مُفید تھی اور جس سے کسی کو کوئی شکوہ شکایت بھی نہ تھی اگر وہ ہستی خواص وعوام میں مقبول نہ ہوتی تو پھر اور کونسی ہستی کو یہ مرتبہ ملتا۔ شاہ صاحبؒ کی ہستی کیا تھی، اس کا اندازہ تو کچھ مندرجہ ذیل آرار سے کیا جا سکتا ہے جو مشہور اہلِ قلم اور ائمۂ فن نے حضرت شاہ صاحب کے متعلق ارشاد فرمائی تھیں:۔

علامہ رشید رضا مدیر "المنار" مشہور اہل علم مفتی محمد عبدہ مصری کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا مذہبی ادارے اور تعلیمی یونیورسٹیاں بھی دیکھیں۔ دارالعلوم دیوبند کا معائنہ کرنے کے لئے جب آپ دیوبند تشریف لائے تو حضرت شاہ صاحب نے بڑا اہتمام کیا اور مسلک حنفیہ اور اسکے اصول اساسی پر بڑی جامع اور مدلل تقریر فرمائی۔

علامہ رشید رضا مرحوم حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سُنکر بہت محظوظ ہوئے، اور بالآخر انھیں یہ کہنا پڑا کہ "اگر میں دارالعلوم کو نہ دیکھتا، اور شاہ صاحب کی تقریر نہ سُنتا تو ہندوستان سے مایوس ہوکر لوٹتا"۔ ——————،

علامہ موسیٰ جار اللہ روس کے ایک مشہور عالم تھے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں آپ ہندوستان آئے تو دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لائے، آپ نے بھی حضرت شاہ صاحب کی ہمہ دانی اور علمیت کی تعریف کی، اور دارالعلوم کو دیکھکر بہت خوش ہوئے ——،

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب کی وفات پر فرمایا کہ "میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی، اور

مسائل علمیہ میں اُن سے گفتگو کی۔ لیکن تبحرِ علمی و سعتِ معلومات جامعیت اور علوم نقلیہ و عقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔"

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح نے فرمایا: "مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی رح، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید، اور سلطان العلماء حضرت شیخ عزیز الدین بن عبد السلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیوں کہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے ورنہ اگر حضرت شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد بھی اوراقِ تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہوتے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابنِ حجر رح شیخ تقی الدین رح اور سلطان العلماء کا آج انتقال ہو رہا ہے"۔

شیخ الہند مولٰنا محمود الحسن رح صدر مدرس دار العلوم دیوبند حضرت شاہ صاحب رح کے اُستاد تھے، لیکن پھر بھی مشکل مسائل کے حل کرنے میں آپ کی رائے دریافت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولٰنا اصغر حسین صاحب رح نے فرمایا:۔

"مجھے جب کبھی کسی مسئلہ میں کوئی دشواری پیش آتی تو کتب خانہ دار العلوم کی طرف رجوع کرتا، اگر کوئی چیز مل جاتی تو فبہا ورنہ پھر حضرت شاہ صاحب رح سے رجوع کرتا، شاہ صاحب جو جواب دیتے

اُسے آخری اور تحقیقی پاتا، اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملیگا۔ اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے فرمایا، حضرت شاہ صاحب کی مثال اُس سمندر کی مانند ہے جس کی سطح تو اوپر سے ساکت و ساکن ہو، لیکن جس کی گہرائیوں میں گرانقدر اور گرانبہا موتی بھرے ہوئے ہوں۔

مولٰنا احمد سعید صاحب دہلوی کی نظر میں حضرت شاہ صاحبؒ ایک چلتی پھرتی لائبریری تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے جب دار العلوم کی صدر مدرسی سے استعفیٰ دیدیا تو ڈاکٹر اقبال مرحوم بے حد خوش ہوئے اور اُنہوں نے فرمایا کہ اسلام میں فقۂ جدید کی تکمیل صرف شاہ صاحب اور میں ہی مل کر کر سکتے ہیں۔ اب مجھے اس اشتراک کی اُمید ہو چلی ہے۔

لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بدولت شاہ صاحب لاہور تشریف نہ لا سکے۔ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اِس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے اپنے لیکچروں the Reconstruction of Religious thoughts in Islam کے لکھنے میں شاہ صاحب سے

بہت مدلل ہے۔ اِن تمام آراء کو پیش نظر رکھ کر بلا خوف تردید علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ نہ تو ہم نے حضرت شاہ صاحب جیسی عظیم و بے بدل ہستی کو اپنی نظر سے دیکھا اور نہ شاہ صاحب نے خود اپنا ہی نظیر دیکھا۔

وفات

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ۱۳۴۶ھ میں شاہ صاحب نے اور اُن کے رفقاء نے جو دار العلوم میں مزید اصلاحات کے حامی تھے، مجلسِ انتظامیہ سے اختلاف کی بنا پر دار العلوم سے استعفیٰ دیدیا۔ اگرچہ دار العلوم کی انتظامیہ شاہ صاحب جیسے عالم و فاضل شخص کو اپنے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اصلاحات کی تحریک جو دارُالعلوم میں اُن دنوں زور پکڑتی جا رہی تھی اور جس کے چلانے والوں نے شاہ صاحب کو بھی اس تحریک کا ہمنوا بنا لیا تھا، انتظامی اُمور کے نقطۂ نظر سے اُس کی روک تھام ضروری تھی۔ اسلئے مجبوراً انھیں شاہ صاحب کا استعفےٰ منظور کرنا پڑا۔

دارُالعلوم سے علیحدگی کے بعد شاہ صاحب بہت سے طلباء اور مدرسین کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے، اور وہیں علوم و فنون کا چرچا عام کیا۔ آخری دِنوں میں شاہ صاحب کچھ علیل

رہنے لگے تھے۔ چنانچہ آپ رخصت پر دیوبند آئے ہوئے تھے، کہ بھاولپور کے مشہور و معروف مقدمہ کا واقعہ پیش آیا، آپ علالت کے باوجود اس مقدمہ میں تشریف لے گئے۔

بھاولپور کا یہ مقدمہ فتنۂ قادیانیت کی تاریخ میں ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے، اس مقدمہ کی حیثیت یہ تھی کہ ایک مسلمان عورت کے شوہر نے قادیانیت قبول کر لی۔ اس پر عورت نے مطالبہ کیا کہ شوہر کے مرتد ہو جانے کے بعد وہ اُس کی زوجیت میں نہیں رہی، اسے آزاد ہونا چاہیئے، قادیانی اُسے آزاد کرنے پر تیار نہ ہوا۔ مسلمان عورت نے مسلمان جج کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کیا، قادیانیوں نے اپنے لاکھوں روپے خرچ کر کے اس مقدمہ کی پیروی کی، بڑے بڑے وکلاء کو بھاولپور میں جمع کر دیا۔

مسلمانوں نے بھی اس مقدمہ کو ایک معرکہ کا مقدمہ سمجھ کر عورت کی قانونی امداد کی اور اُس وقت کے مشاہیر علماء کو بھاولپور بلایا کہ وہ عدالت کے سامنے قادیانیت کے کفر کی وجوہ اور مرزائے قادیان کے دعاوے کی حقیقت کو شرعی طور پر ثابت کریں۔ علماء کی اس جماعت میں حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سربراہ کی حیثیت سے شریک تھے، آپ نے اس موقعہ پر کئی ہفتہ بھاولپور میں قیام فرمایا۔ اور عدالت کے سامنے کئی دن تک طویل بیان دیگر مستحکم دلائل سے

ثابت فرمایا کہ قادیانیوں کے کفر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ——
حضرت شاہ صاحبؒ کے اس عالمانہ اور محققانہ بیان سے
قادیانی مبلّغوں اور وکلاء کی چرب زبانیوں اور غیر واقعی دعاوی کا تار و پود
بکھر گیا۔ عدالت نے قادیانی شوہر کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج
تسلیم کیا، اور مستغیث عورت کو اُس کی زوجیت سے آزاد کیا۔
اس مقدمہ نے عدالتی طور پر پہلی دفعہ یہ بات واضح کی، کہ
قادیانی فرقہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن مقدمہ کے بعد مرض
بڑھتا گیا اُدھر آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس کو جاری رکھا،
یہاں تک کہ آپ کے قویٰ نے بالکل جواب دیدیا، تو مجبوراً آپ دیوبند
تشریف لے آئے، یہیں ۲ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ کو آپ نے انتقال فرمایا
انا للہ وانا الیہ راجعون ط اور عیدگاہ کے قریب دفن کئے گئے۔
دیوبند میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

عِلمی کارنامے!

حضرت شاہ صاحب کے تبحر علمی، ہمہ دانی، بے پناہ قوتِ حافظہ،
کثیر مطالعہ، دقتِ نظر، مجتہدانہ زندگی سے یہ اُمید تھی کہ وہ کوئی نہ کوئی
ایسا علمی کارنامہ چھوڑ جائیں گے، جو رہتی دنیا تک علم و تحقیق کا ایک

بے مثال نمونہ ثابت ہوگا، اور جس کے مطالعہ سے شاہ صاحبؒ کی یگانۂ روزگار علمیت کا صحیح اندازہ لگانا ہر خاص و عام کے لئے ممکن ہوگا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان کا ذہن بہت سی چیزوں کی بقاء کا ذمہ دار ہوتا ہے، لیکن ذہن میں محفوظ کئے ہوئے بے ربط خیالات، حالات و واقعات سے کسی شخصیت کی زندگی کے تمام پہلو اُجاگر نہیں ہوجاتے جب تک اُس کی دلیل میں کوئی تحریری چیز موجود نہ ہو۔

دُنیا میں ایسے بہت سے اِنسان گذرے ہیں جو اپنی جامعیت علم و وسعتِ نظر، دقتِ نظر میں یگانۂ روزگار تھے، لیکن اُنہوں نے کوئی علمی چیز اپنی یادگار نہیں چھوڑی اس لئے امتداد زمانہ کی بدولت اُن کے کارنامے نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئے۔ اگرچہ موجودہ ریسرچ نے بہت حد تک ایسی غیر معروف شخصیتوں کو اہلِ علم سے متعارف کرا دیا ہے، لیکن پھر بھی اُن لوگوں کو وہ شہرت اور ناموری نصیب نہ ہوسکی جو اُن کو ملنی چاہئے تھی، اور نہ نسلِ انسانی اُن کے کمالات علمی سے پورے طور پر مستفید ہوسکی۔ یہ بھی درست ہے کہ صرف تصنیف شدہ کتابوں کی تعداد کسی مصنّف کی ہمہ دانی و علمی تبحر کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر ابنِ خلدون "تاریخ عروجِ انسانی" اور اُس کا مشہورِ عالم مقدمہ نہ لکھتا تو اُسے وہ شہرت و ناموری کبھی حاصل نہ ہوتی جو اُسے آج حاصل ہے، اور آنے والی نسلیں

اُس کے فلسفۂ تاریخ اور عمرانیات کے نظریات سے ناواقف رہتے ہیں۔ امام بخاریؒ اگر "صحیح بخاری" تالیف نہ کرتے تو وہ کبھی وہ مرتبہ نہ پا سکتے جو آج اسلامی اور غیر اسلامی دُنیا میں اُنہیں حاصل ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ زیادہ تر مُطالعہ اور درس و تدریس و تبلیغ مذہب کے کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے، تصنیف و تالیف کے کام میں اُنہوں نے وہ دلچسپی نہ لی جس کی اُن جیسے باکمال انسان سے توقع تھی، اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ شاہ صاحبؒ نے کئی مختصر سے رسالے اپنی یادگار چھوڑے، جو اُن کی علمیت وسعت نظر، و دقتِ نظر کی دلیل ہیں لیکن اُنہوں نے کوئی ایسی یادگار تصنیف نہیں چھوڑی جو اُنھیں امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی طرح علمی مرتبے پر پہونچا دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ شاہ صاحبؒ کے علمی مقام سے ناواقف ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے علمی مقام کو بس وہی نظریں سمجھ سکتی ہیں جن میں یا تو معاملے کی نوعیت کو صحیح طور پر بھانپنے کی صلاحیت موجود ہے یا جن نظروں نے شاہ صاحب کو دیکھا ہے اور اُنکی شانِ تدریس کا مُطالعہ کیا ہے، ایک عام عقل و فہم رکھنے والے سے یہ قطعاً اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ شاہ صاحبؒ کی تصانیف کا سرسری مُطالعہ کرنے کے بعد اُن کے علمی مرتبہ کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم

کر سکے گا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی کتاب "کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر" کی قدر و قیمت کا اندازہ اُسوقت لگا جب میں نے مسئلہ مذکور پر جتنی احادیث جمع کی جا سکیں، جمع کیں۔ اور اُن کا مُطالعہ کیا، اور اُن کے مُطالعہ کے بعد شاہ صاحب کی کتاب کا مُطالعہ کیا؛ اِس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف کو سمجھنے کے لئے کافی مطالعہ اور گہری نظر کی ضرورت ہے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ باکمال اشخاص صرف ایک سطر میں وہ باتیں اور رموز بیان کر جاتے ہیں، جو دوسرے مصنفین کئی کئی صفحات میں بیان کرتے ہیں، شاہ صاحب اُن ہی باکمال ہستیوں میں سے ایک باکمال ہستی تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے بجا کہا تھا کہ:۔

"حضرت شاہ صاحب کی مثال اُس سمندر کی طرح ہے جس کی سطح تو اُوپر سے ساکن ہو لیکن اُس کی گہرائیوں میں گرانبہا موتی چھپے ہوئے ہوں"۔ شاہ صاحبؒ کی مختلف تصنیفات کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

(۱) "عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام" اِس کتاب میں جو ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے متعلق قرآنی

تاویلات بیان فرمائی ہیں، اس میں ضرورت کے مطابق کہیں کہیں احادیث بھی نقل کی ہیں، اِس کتاب میں بہت سے اختلافی مسائل پر مثلاً ختمِ نبوّت یاجوج ماجوج وذوالقرنین، کنایہ، حقیقت اور مجاز کی بحث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۲) "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" اِس مختصر سے رسالہ میں جو ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ایمان، اور کفر کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ اِس میں شاہ صاحبؒ نے اُن اُمور پر بحث کی ہے، جن پر ایمان وکفر کا دار ومدار ہے، اور جن کے بارے میں کسی قسم کا حیلہ کرنا داخلِ کفر ہے، اِس موضوع پر سب سے پہلے امام غزالیؒ نے ایک رسالہ قلمبند کیا تھا

(۳) "فصل الخطاب فی مسئلۃ اُمّ الکتاب" یہ بڑی معرکۃ الآرا تصنیف ہے، اِس میں بڑی تحقیق کے بعد اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟ یہ مسئلہ صحابۂ کرام رضؓ کے عہدِ تابندہ سے لیکر ابتک زیرِ بحث رہا ہے، اور اس پر مختلف اشخاص نے اپنے تأثرات بیان کئے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس موضوع پر بڑی تحقیق سے کام کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب حد درجہ مُشکل ہے، اور اس کا سمجھنا ایک عام آدمی کی عقل وفہم سے باہر ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس مسئلہ پر فارسی میں بھی ایک

رسالہ تحریر کیا، جس کا نام "خاتمۃ الخطاب فی فاتحۃ الکتاب" ہے۔
شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے جس پر تقریظ بھی لکھی ہے اور مصنف کی
گہرائی نظر کو سراہا ہے۔
(۴) "کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر!" اس کے متعلق ہم مولانا شبیر احمد
صاحبؒ کی رائے ہم ذکر کر چکے ہیں۔
(۵) "نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین!" یہ مسئلہ بھی صحابہ
کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہدِ زرّیں سے ایک اختلافی مسئلہ
رہا ہے، اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، شاہ صاحبؒ نے اس
مسئلہ پر بڑی محققانہ بحث کی ہے، اس میں آپ نے یہ ثابت کیا
ہے کہ نماز پڑھتے وقت رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کا اُٹھانا
نہ تو جائز ہی کہا جا سکتا ہے اور نہ ناجائز، بلکہ اس مسئلہ میں صرف
اتنا اختلاف ہے کہ رفع یدین کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا بہتر ہے۔
اِس موضوع پر شاہ صاحبؒ نے ایک اور کتاب "بسط الیدین
لنیل الفرقدین" بھی لکھی جو اس موضوع پر پہلی کتاب کی تکمیل کرتی ہے
اس کتاب کی قدر کچھ اہلِ علم وفن ہی جانتے ہیں۔
(۶) "ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم"! اس میں شاہ صاحب نے
حدوثِ عالم یعنی زمانے کی بے ثباتی کے مسئلہ پر بحث کی ہے، اس

موضوع کا تعلق فلسفہ اور علم الکلام سے ہے، اور اس میں حدوثِ عالم پر ایسے ایسے دلائل و براہین سے کام لیا گیا ہے کہ حدوث عالم کا مسئلہ بالکل آسان و ظاہر بنجاتا ہے، اِس موضوع پر جو بہت ہی دقیق اور مُشکل ہے، بہت سے باکمال اشخاص نے طبع آزمائی کی ہے۔

لیکن شاہ صاحب کی کتاب کو متاخرین و متقدمین پر ایک خاص فضیلت حاصل ہے، آپ کی اس کتاب کا ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی مُطالعہ فرمایا تھا، اور مولانا سیّد سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں اس کا اعتراف کیا تھا کہ مسئلہ حدوث عالم پر حضرت شاہ صاحب کی کتاب نے میرے ذہن و فکر کی گرہیں کھول دی ہیں۔

شاہ صاحب نے اس موضوع پر ایک اور کتاب "مرقاۃ الطارم لحدوث العالم" بھی لکھی، جس کو اس موضوع پر حرف آخر کہنا بہتر ہو گا اس کتاب کو شیخ الاسلام مصطفٰے الطبری نے بہت پسند فرمایا تھا۔

(۷) "سہم الغیب فی کبد اہل الریب" عموماً دیکھا گیا ہے کہ سیدھے سادے اور کم پڑھے لکھے لوگ بڑی جلدی دھوکے میں آجاتے ہیں۔ اُن کے مذہبی عقائد بھی کچھ زیادہ پکے نہیں ہوتے اور بڑی آسانی کے ساتھ بدلے جا سکتے ہیں۔

چنانچہ دُنیا دار لوگ مذہبی رنگ میں، یا علمی رنگ میں اِس قسم کے

لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں اور اُن کی جہالت و بیوقوفی کی بدولت عیش و آرام سے زندگی گذارتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں بدعتیں اُس وقت بھی عام تھیں اور اب بھی عام ہیں جب غیر منقسم ہندوستان منقسم ہو چکا ہے، ان بدعتوں کے پھیلانے میں جو بعض اوقات کفر و شرک کے احاطہ میں داخل ہو جاتی ہیں، بریلوی فرقہ نے بہت کام کیا ہے، ان بدعتوں میں سے ایک مسئلہ انہوں نے علم غیب کے متعلق کھڑا کر دیا تھا۔ اس موضوع پر ایک کتاب عبدالحمید دہلوی نے لکھی تھی، جو سراسر شریعتِ اسلام کے منافی تھی، لہذا شاہ صاحب نے مندرجہ بالا کتاب کے رد میں "سہم الغیب فی کبد اہل الریب" لکھی۔

(۸) "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" اس کتاب میں حضرت عیسیٰ ؑ کے نزول یعنی دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کے متعلق بحث کی گئی ہے، دلیل کے طور پر احادیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آراء درج کی گئی ہیں۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیق و تفتیش اور عرقریزی کی ہے۔

(۹) "خاتم النبیین" یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے اور فارسی زبان میں ہے، اس میں شاہ صاحب نے "ختم نبوت" پر بحث کی ہے، یہ کتاب اگرچہ جامعیت اور کمالات علمی سے بھرپور ہے لیکن بہت ادق ہے،

چونکہ اس کا اسلوبِ بیان عالمانہ ہے، اِس لئے عام انسانوں کی عقل و فہم اس کے مفہوم کو نہیں پا سکتی۔

(۱۰) "تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام"!

(۱۱) "ازالۃ الرین فی الذّب عن قرۃ العینین"!

یہ تھیں وہ کتابیں جو شاہ صاحبؒ نے بذاتِ خود تصنیف فرمائیں اس کے علاوہ کچھ ایسی بھی کتب ہیں جو شاہ صاحبؒ کی یادداشتوں یا اُن شرحوں سے مرتب کی گئی ہیں جو اُنہوں نے طلباء کو دورانِ درس میں لکھوائی تھیں۔ اُن کتب میں "مشکلات القرآن"۔ "خزینۃ الاسرار" "فیض الباری شرح صحیح البخاری"۔ "حاشیہ سنن ابن ماجہ" وغیرہ ہیں۔ اِن کتابوں کے عمیق مُطالعہ کے بعد ہی شاہ صاحبؒ کی علمی شخصیت کے متعلق کوئی جامع رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی زیادہ تر کتابیں عربی و فارسی میں ہیں، اگر اردو زبان میں ہوتیں تو عوام الناس کے لئے کہیں زیادہ فائدہ مند ہوتیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ!

جس طرح حق تعالےٰ نے اپنی بارگاہِ فیاض سے حضرت شاہ صاحبؒ کو اور بہت سے محاسن و اوصاف عنایت فرمائے تھے! اسی طرح اس دورِ آخر میں آپ ہی کو یہ خصوصیت نصیب تھی کہ آپ کے حلقہ تلامیذ میں جن خوش قسمت حضرات کو شامل ہونے کا موقع ملا وہ اپنے وقت کے بہترین رجال علم و عمل سمجھے گئے، اور انہوں نے دین و شریعت سے لیکر ادب و سیاست تک کے میدان میں خواص و عوام کی قیادت کی۔

"میرے حلقہ سخن میں ابھی زیر تربیت ہیں"

حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ نامور تلامذہ خود حضرتؒ کی زندگی ہی میں دین و سیاست، علم و ادب اور ملی رہنمائی کی مسندوں پر جلوہ فرما تھے، حضرت کے انتقال کے بعد گذشتہ تیس بتیس سال کے عرصہ میں ہند و پاکستان اور دوسرے ممالکِ اسلامیہ میں نشر علوم اسلامیہ کی خدمت کا بڑا حصّہ حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگردوں سے انجام پایا۔ آج حضرت شاہ صاحبؒ کے ہر شاگرد کو علم و فضل اور دینی زندگی

کے ایک معیار کی حیثیت حاصل ہے، حدیث و قرآن کی تشریح و تفسیر، احیاءِ اسلام اور امانتِ کبریٰ کی جو خدمت جس شخص سے پوری ہو رہی ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت شاہ صاحب کا شاگرد ہے۔

ذیل میں ہم حضرت مرحوم کے تلامیذ کی ایک مختصر اور نا تمام فہرست پیش کرتے ہیں۔ یہ فہرست نا تمام ہے اور بہت سے چیدہ چیدہ علماء اور صلحاء کے نام ہم نے بخوفِ طوالت نظر انداز کر دئے ہیں:۔

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا فخر الدین احمد شیخ الحدیث، مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند (دورۂ حدیث شریف آپ نے اگرچہ شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے پڑھا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے بھی اتنا زیادہ علمی استفادہ کیا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی صف میں سب سے اوّل نمبر پر آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ، مہتمم دار العلوم دیوبند۔

(۳) حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۴) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم عمومی جمعیۃ العلمائے ہند دہلی۔

(۵) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

(۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مئو ناتھ بھنجن
ضلع اعظم گڈھ۔
(۷) حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی قدس سرہ العزیز، افریقہ
(۸) حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی مؤلف فیض الباری
نزیل مدینہ منورہ۔
(۹) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح سابق صدر دینیات
حیدر آباد عثمانیہ یونیورسٹی و مؤلف سوانح قاسمی۔
(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندہلوی، صدر جامعہ اشرفیہ
لاہور (پاکستان)۔
(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ مفتی اعظم
پاکستان شہر کراچی۔
(۱۲) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم نجیب آباد، مؤلف انوار المحمود
(۱۳) حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر المدرسین،
مدرسہ عالیہ فتحپوری دھلی۔
(۱۴) حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی پروفیسر مسلم یونیورسٹی
علیگڈھ۔
(۱۵) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، دار العلوم الاسلامیہ کراچی

(۱۶) حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ سکروڈوی، سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔

(۱۷) حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی

(۱۸) حضرت مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ۔

(۱۹) حضرت مولانا احسان اللہ خاں صاحبؒ تاجور، لاہور۔

(۲۰) حضرت مولانا مصطفٰے حسن علوی پروفیسر یونیورسٹی ہولوی گنج لکھنؤ

(۲۱) حضرت مولانا میرک شاہ صاحب کاشمیری سابق پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور (پاکستان)۔

(۲۲) حضرت مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی۔

(۲۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی۔

(۲۴) حضرت مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث، مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

(۲۵) حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

(۲۶) حضرت مولانا حامد الانصاری غازی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

(۲۷) حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ۔

(۲۸) حضرت مولانا سلطان محمود صاحب سہسوانی سابق صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

(۲۹) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ۔ سنبھل (مراد آباد)

(۳۰) حضرت مولانا محمد نقی صاحب دیوبندی ۔

(۳۱) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی ۔

(۳۲) حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی ۔

(۳۳) حضرت مولانا محمد صاحب انوری مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ لائل پور (پاکستان)

(۳۴) حضرت مولانا غلام غوث صاحب سرحدی، ناظم جمعیۃ علماء (مغربی پاکستان)

(۳۵) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری محدث، حضرو ضلع کیمبلپور، (مغربی پاکستان)

(۳۶) حضرت مولانا شائق احمد صاحب ایڈیٹر عصر جدید، (کراچی)

(۳۷) حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب مدرس دار العلوم دیوبند

(۳۸) حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع سابق استاد دار العلوم

(۳۹) حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب مہتمم مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری، چاٹگام ۔

(۴۰) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری، چاٹگام ۔

(۴۱) حضرت مولانا محمد طاہر القاسمی سابق ناظم دار الصنائع دار العلوم دیوبند
(۴۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میر واعظ کشمیر، اصغر مال روڈ راولپنڈی (پاکستان) ۔
(۴۳) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب مدرس دار العلوم دیوبند
(۴۴) حضرت مولانا یعقوب الرحمن صاحب عثمانی سابق ناظم جمعیۃ الطلبہ دار العلوم دیوبند
(۴۵) حضرت مولانا فیض الرحمن صاحب مرحوم پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور
(۴۶) حضرت مولانا عبد الحنان صاحب ہزاروی جامع مسجد صدر راولپنڈی
(۴۷) حضرت مولانا مفتی فیض اللہ صاحب ہاٹ ہزاری چاٹگام ۔
(۴۸) حضرت مولانا اسمٰعیل یوسف گارڈی جوہانسبرگ (ٹرانسوال) (جنوبی افریقہ)
(۴۹) مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری مدظلہ
(۵۰) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھا ۔
(۵۱) مولانا جمیل الدین صاحب میرٹھی جامعہ اسلامیہ بھاول پور ۔
(۵۲) حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت ۔
(۵۳) حضرت مولانا احمد اشرف صاحب جامعہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت ۔

(۵۴) مولانا انوار الحق صاحب اعظمی مرحوم۔

(۵۵) مولانا عبد العزیز صاحب بہاری سابق صدر جمعیۃ علماء بمبئی

(۵۶) حضرت مولانا سید نثار احمد صاحب نوری لہریا سرائے ضلع دربھنگہ

(۵۷) مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی استاذ دار العلوم دیوبند۔

(۵۸) حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ سابق استاذ دار العلوم دیوبند

(۵۹) مولانا محمد جلیل صاحب کیرانوی، استاذ دار العلوم دیوبند۔

(۶۰) حضرت مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب مرحوم دیوبند۔

(۶۱) مولانا حکیم محبوب الرحمٰن صاحب بجنور۔

(۶۲) مولانا سید احمد رضا صاحب مؤلف انوار الباری بجنور۔

(۶۳) مولانا محمد امین صاحب استاذ حدیث دار العلوم مئو، اعظم گڑھ۔

(۶۴) مولانا ریاست علی صاحب جبل پور۔

(۶۵) مولانا غلام مصطفےٰ صاحب کشمیری سابق ایم، ایل، اے کشمیر

(۶۶) مولانا عبد الکبیر صاحب جامعہ مدینۃ العلوم حضرت بل، سرینگر

(۶۷) مولانا آل حسن صاحب دیوبندی مقیم میرٹھ۔

(۶۸) مولانا بشیر احمد صاحب مدرسہ مظہر العلوم کرتپور، ضلع بجنور

(۶۹) مولانا ابو احمد عبد اللہ صاحب لدھیانوی، دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ۔

(۷۰) شیخ التفسیر مولٰینا غلام اللہ خاں صاحب راولپنڈی۔

(۷۱) مولٰینا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری گجرات (پاکستان)

(۷۲) حضرت مولٰینا سیف اللہ شاہ صاحب لولاب، کشمیر۔

(۷۳) مولٰینا عبدالوحید صاحب پرتاپ گڈھ (یوپی)

(۷۴) مولٰینا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۷۵) مولٰینا حکیم سعد اللہ صاحب ناظم دارالعلوم مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ

(۷۶) حضرت مولانا محمد صادق صاحب صدر مدرس بڑودہ گجرات

(۷۷) مولانا نعمت اللہ صاحب انوری بیربھوم ضلع اسکول سوری ضلع بیربھوم

(۷۸) مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ مرحوم ڈابھیل ضلع سورت

(۷۹) مولانا محمود احمد صاحب ضلع دربھنگہ (بہار)

(۸۰) مولانا حکیم عبدالاوّل صاحب اجراڑہ ضلع میرٹھ۔

(۸۱) مولانا افتخار علی صاحب خیر نگر بازار میرٹھ۔

(۸۲) مولانا عبداللہ خانصاحب کرتپوری ہمدرد دواخانہ دہلی

(۸۳) مولانا اسمٰعیل کاچھوی صاحب مرحوم جوہانسبرگ جنوبی افریقہ

(۸۴) مولانا صالح ابن محمد منگیرا جوہانسبرگ جنوبی افریقہ

(۸۵) مولانا ایم آئی نانا صاحب جوہانسبرگ جنوبی افریقہ

نورُ الانوار

الاستاذ الامام السید محمد انور شاہ الکشمیری نور اللہ ضریحہٗ

از حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

"کئی برس پہلے کی بات ہے "حیات انور" کے نام سے ایک کتاب شائع کی گئی تھی جس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجل واخص تلامذہ نے اپنے شیخ و استاذ کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند فرمائے تھے ذیل کا مضمون اس مجموعہ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے قلم سے شامل تھا، اس مضمون میں حضرت موصوف نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دارالعلوم کی علمی زندگی، علمی مشاغل، اور علمی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے، ہم خاص طور پر یہ مضمون یہاں پیش کرتے ہیں"۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ دارالعلوم دیوبند نے اپنی نوے سالہ زندگی میں علم وفضل کے ایسے ایسے رجال پیدا کئے کہ ان آخر کی صدیوں میں دُور دُور تک تاریخ اُن کی مثال پیش کرنے سے عاجز نظر آتی ہے، ہر ایک اپنے فن، کردار، سیرت اور بلند ذوقی کے لحاظ سے

اپنی مثال آپ ہی تھا۔ جو حضرات نصف صدی پیشتر گذر چکے ہیں اُن سے
شاید نئی دُنیا واقف نہ ہو، اور ممکن ہے کہ تعارف کرانے کے باوجود وہ اُن سے
متعارف نہ ہو سکے۔ لیکن ماضی قریب کے مشاہیر دیوبند کی ایک بڑی جماعت
ہے جو اپنے شہرت العامہ کے لحاظ سے محتاجِ تعارف نہیں، اُس کے علم و
سیرت کی مثالیں بھی دُور دُور تک نہیں ملتیں۔

حضرت شیخ الہند مولٰنا محمود حسن قدس سرہٗ۔ حضرت مولٰنا
احمد حسن محدث امروہیؒ۔ حکیم الامت مولٰنا اشرف علی تھانویؒ۔
حضرت مولٰنا عبدالحق مفسّر تفسیر حقانی۔ حضرت مولٰنا عبیداللہ سندھیؒ
حضرت مولٰنا سید حسین احمد مدنی۔ حضرت مولٰنا شبّیر احمد عثمانی وغیرہ
حضرات اپنے شہرہ آفاق علم و فضل، اور کردار و سیرت کے لحاظ سے عزّت و
شہرت کی اُونچی سطح پر پہونچے ہیں، قلم و زبان انھیں عام طور پر جانتے
پہچانتے ہیں۔ پھر ایسی تعداد کی تو کوئی شمار ہی نہیں جو مشاہیر میں نہیں
لیکن اپنی مضبوط علمی و اخلاقی سیرت کے ساتھ وہ زمینوں سے زیادہ آسمانوں
میں مشہور ہیں۔ اور وہاں اچھے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور زمین کے
کتنے ہی خطّوں کے ایمانوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

بہرحال دارالعلوم دیوبند ایک شجرۂ طیّبہ ہے، جس کے خوش ذائقہ
اور خوشبودار پھل پھول سے دُنیائے اسلام کا دل و دماغ معطّر اور پُر کیف

بنا ہوا ہے، اور اس آخری صدی میں اُس کی جماعت مجموعی حیثیت سے اُٹھی تو اُس نے مجددانہ اور اسلامی علم و عمل کو غیر اسلامی اثرات کی آمیزشوں اور شرک و بدعات کے لوث سے پاک کر کے نکھار دیا، اور منقح اور مستھرا کر کے دنیا کے آگے رکھدیا۔

دیوبند کی ان آفتاب و ماہتاب ہستیوں میں نہایت تیز اور شفاف روشنی کا ایک جلیل المرتبت ستارہ حضرت الاستاذ، علامۂ دہر، فرید عصر، حافظ الدنیا، محدثِ وقت مولٰنا السیّد **محمد انور شاہ الکشمیری** صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی مبارک ہستی بھی ہے جو مجموعی حیثیت سے آیت من آیات اللہ، اور اپنے غیر معمولی علم و فضل کے لحاظ سے دین کا ایک روشن منارہ تھے، اور آپ کی ذات بلا مبالغہ عالمِ جلیل فاضلِ نبیل، تقی و نقی محدث، مفسر و متکلم، ادیب و شاعر، صوفیِ صافی، اور فانی فی السنۃ ذات تھی۔

لیس علی اللہ بمستنکر ؞ ان یجمع العالم فی واحد

دارالعلوم میں آپ ۱۳۱۰ھ میں داخل ہوئے جبکہ منشی فضل حق صاحب دیوبندی کا دورِ اہتمام تھا، اور ۱۳۱۴ھ میں تمام علوم و فنون کی تکمیل سے فارغ ہو کر جبکہ حضرت مولٰنا محمد احمد صاحبؒ کا زمانۂ اہتمام تھا یہاں سے واپس ہوئے چند سال مدرسہ امینیہ دہلی میں مسندِ درس پر متمکن رہے۔ اور وہاں سے

اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے، وہاں سے بہ نیت ہجرت حجاز مقدس کے قصد سے روانہ ہوئے، دیوبند میں اپنے اساتذہ و شیوخ سے ملنے کے لئے اُترے۔

آپ کے شیوخ و اساتذہ نے جو آپ کے جوہروں کو جانتے اور پہچانتے ہوئے تھے، یہ دیکھتے ہوئے، کہ دار العلوم کی مسند درس کے شایانِ شان یہ ایک ہستی ہے جیسے دار العلوم نے گویا اپنے ہی لئے پیدا کیا ہے، آپ کو دیوبند روک لیا، اور آپ نے بھی غایت تواضع و انکسارِ نفس سے اپنے اساتذہ کی بات اُونچی رکھتے ہوئے قیام دیوبند کا اِرادہ فرمالیا۔

حضرت ممدوح کے ٹھیرانے سے ابتدائی منصوبہ اور مقصد یہ تھا کہ ترمذی اور بخاری کی شرح حضرت ممدوح سے لکھوائی جائے، لیکن عملاً یہ معاملہ آگے نہیں بڑھا۔ جس کی وجوہ نامعلوم ہیں، شاید یہ ہوں کہ درس کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ واللہ اعلم۔

بہرحال آپ نے بامتثال اکابر دار العلوم میں درس شروع فرمادیا البتہ غلبۂ زہد و قناعت سے مشاہرہ لینے پر راضی نہ ہوئے، اور لوجہ اللہ کام شروع کردیا، اِس اصرار پر اُن کے اکابر نے بھی سکوتِ رضاء سے کام لیا، اور تنخواہ کا مسئلہ کلیۃً اُن ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

لیکن حضرت والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے

اس کے بعد یہ گوارا نہیں کیا کہ طعام و ضروریاتِ طعام کے مصارف خود اُن کے سر ڈالے جائیں، اور فرمایا کہ اگر مدرسہ سے حضرت ممدوح لینا نہیں چاہتے تو اُن کے سر میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

تیسری متعین صورت یہ ہے کہ کھانا میرے ساتھ کھائیں۔ اسے حضرت ممدوح نے منظور فرمالیا۔ اور اس طرح تقریباً دس برس تک یہ صورت قائم رہی۔ حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی معروف آبائی اور روایتی مہمان نوازی سے آپ کو مثل اپنے اہلبیت کے سمجھا، اور نہایت پورے انشراح وانبساط کے ساتھ یہ دَور پُورا ہوا۔

اس دور میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے یاد فرمایا، اور قیامِ دیوبند پر مجبور فرمایا، ممدوح بھی یہاں رُک گئے، اور وہ بھی اس پُوری مدت میں حضرت والد ماجد ہی کے مہمان رہے۔ یہ دسترخوان بظاہر کھانے کا دسترخوان ہوتا تھا۔ لیکن حقیقتاً اہلِ علم وفضل کی ایک پاکیزہ مجلس ہوتی تھی۔ جسمیں حضرت والد ماجد قدس سرہٗ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہٗ۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور اکثر وبیشتر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور متعدد دوسرے اکابر اساتذۂ دارالعلوم شریک رہتے تھے۔

علمی مسائل میں مکالمے ہوتے، بحثیں ہوتیں، معارف وحقائق کھلتے، اور خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ اور مولانا سندھیؒ مختلف علوم و فنون کے کافی دلچسپ مباحث چھیڑتے، اور آخرکار بزرگانِ مجلس کی طرف سے کبھی مزاحی رنگ میں، اور کبھی سنجیدہ اور متین رنگ میں فیصلے اور مکالمے سنائے جاتے۔ حاضرالوقت خدام و طلبہ کو شاید درس و تدریس کی لائن سے برسہا برس میں وہ تحقیقات ہاتھ نہ لگ سکتی تھیں جو اس حلقۂ طعام میں یکایک اک دم مل جاتی تھیں، ان دونوں بزرگوں میں حاضرالوقت اکابر کے کمال ادب و احترام کے ساتھ سلسلۂ مسائل حق گوئی میں کبھی کوئی ادنیٰ اضمحلال یا تہاون پیدا نہ ہوتا تھا۔ اور ہر ایک دوسرے کے خلاف برملا اور بہت صاف ریمارک کرتا۔

اس طرح کھانے پینے کا یہ دسترخوان مائدۂ علم و فضل بن جاتا، اور اس دسترخوان پر صرف بدنی غذا ہی جمع نہ ہوتی تھی، بلکہ روحانی غذاؤں کے قسم قسم کے الوان جمع ہو جاتے تھے، اور دسترخوان اس شعر کا مصداق بنجاتا ؎

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد + برنگ اصحابِ صورت را بہ بو اربابِ معنی را

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں غذا کے بارہ میں لطافت تھی مگر شوقینی نہ تھی، غذاؤں کے تنوع اور کھانوں کے الوان کی طرف طبیعت جھکی

ہوئی نہ تھی۔ جو مل گیا، کھا لیا، جو آ گیا شکر و رضا سے اُسے قبول کر لیا
میری جدّہ محترمہ رحمتہ اللہ علیہا (جن کی مہمان نوازی اپنے دور میں مشہور تھی)
اور خود حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے بھی اِس بارہ میں یہ کہہ کر شہادت
دی تھی کہ "ہماری مہمان نوازی تو احمد کی والدہ کی بدولت ہے"۔

کبھی کبھی حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے میری معرفت یہ کہلا کر
بھیجتیں کہ "حضرت کبھی تو اپنے کسی مرغوب کھانے کی فرمائش کر دیا کیجیے"؟
تو متاثرانہ لب و لہجہ سے جواب دیتے کہ میری طرف سے سلام گذارش کیجیے
اور یہ عرض کر دیجیے کہ "دسترخوان پر ہمہ نعمت موجود ہوتے ہوئے میں کاہے کی
فرمائش کروں، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں میری جنّت کی نعمتیں یہیں تو نہیں
تمام کی جا رہی ہیں"؟

قیامِ دیوبند کی یہ صورت قائم ہو جانے پر حضرت شاہ صاحبؒ نے
باشارۂ اکابر درس و تدریس کا مستقل سلسلہ جاری تو فرما دیا۔ لیکن ہجرت
کی پاک نیّت سے دستبردار نہ ہوئے، اور برابر حاضریٔ حرم نبویؐ و حرم الٰہی
کا جذبہ آپ کو دیوبند چھوڑنے کی طرف مائل کرتا رہتا تھا، جس کا اظہار
وقتاً فوقتاً ہوتا۔ اور یہ اکابر بلطائفِ تعبیر اُسے ٹلاتے جاتے۔ لیکن
خطرہ انھیں بھی رہتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت یہ جذبہ غالب ہو جائے، اور
دارالعلوم کو ایسی جامع اور مستقبل کی بڑی بڑی اُمیدوں کی محور ہستی سے

دست بردار ہونا پڑ جائے، اس لئے یہ حضرات بھی انھیں مستقل جما دینے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔

آخرکار انھیں پابند بنانے کے لئے ان بزرگوں نے اُن کے پیروں میں بیڑی ڈالنے کی تدبیر سوچ ہی لی، اور ارادہ کیا کہ حضرت ممدوح کا نکاح کر دیا جائے۔ گو اس سے حضرت ممدوح کو انکار تھا۔ مگر بلطائفِ تدبیر اُنھیں راضی کر کے گنگوہ کے سادات کے ایک خاندان میں نکاح کر دیا گیا۔ میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت والد ماجد قدس سرہٗ نے اس کی کفالت فرمائی، اور نکاح کی اس تقریب کو اسی طرح انجام دیا، جس طرح وہ اپنی اولاد کی کوئی بھاری تقریب کر سکتے تھے۔ بھوپال بارات گئی، علماء کی ایک جماعت ساتھ تھی، بڑی پُر مسرت فضاء میں نکاح ہوا، دُلہن آئی تو حضرت جدّہٗ مرحومہ نے اُسی طرح گھر میں اُتارا جیسے اپنے گھر کی دُلہن اُتاری جا سکتی تھی۔ ولیمہ کی لمبی چوڑی دعوت کی، اور احقر کے زنانہ مکان کے بالاخانہ پر حضرت شاہ صاحبؒ مع اہلیہ محترمہ فروکش ہوئے۔

اس پر تقریباً ایک دو سال ہی گذرے تھے کہ اولاد کی اُمید ہوئی ہمارے گھر میں اس کی وہی خوشی تھی جو اپنے گھر میں اہلبیت کے اولاد ہونے کی ہوتی ہے، اُسوقت تک میری شادی نہیں ہوئی تھی، گھر میں عرصۂ بدید

گذر چکا تھا، کوئی بچہ نہیں تھا، جس کی سب کو تمنا تھی اس امید سے کہ حضرت ممدوح کے یہاں بچہ ہونے والا ہے، سب گھروالوں کو بالخصوص میری دادی صاحبہ مرحومہ کو بے حد خوشی تھی۔ اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہوتا ہے، اُنھوں نے عقیقہ کی تقریب کا سامان بھی شروع کر دیا تھا کہ اچانک حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کو مشورہ دیا گیا اور ممکن ہے کہ خود اُن کے قلب میں ہی یہ داعیہ از خود پیدا ہوا ہو، اُنھوں نے حضرت جدّہٗ مرحومہ سے عرض کرایا کہ "دس سال تک تو میں تنہا تھا، اب دو سال سے متاہل ہوں اور آپ ہی کے یہاں مقیم ہوں، اب اولاد کی اُمید ہے، تو اب میں ایک اور دو کے ساتھ ایک عائلہ کا بار ڈالنے اور ڈالتے رہنے میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں، مجھے اجازت دی جائے کہ الگ مکان لیکر رہوں۔" حضرت ممدوحہ اور والد ماجد اس پر راضی نہیں ہوئے تھے، لیکن اُدھر سے اصرار بڑھا تو اُنھوں نے بادلِ ناخواستہ اسے قبول فرمالیا۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محلہ دیوان کے ایک مکان میں فروکش ہو گئے۔

اِس صورتِ واقعہ کے بعد ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے موقع آگیا کہ وہ تنخواہ لینے کے لئے حضرت ممدوح پر اصرار کریں۔ چنانچہ کیا۔ اور تاہل کی زندگی اور اس کے وسیع ہوتے رہنے کی صورت حال کے

ماتحت طوعاً وکرہاً حضرت ممدوح کو بھی یہ اصرار قبول کرکے تنخواہ لینے پر راضی ہوجانا پڑا، اور اب ایک گھرستی کی طرح اُن کی عائلی زندگی کا دَور شروع ہوگیا۔

اس مکان کی رہائش کے بعد عزیزم مولوی ازہر شاہ سلمہٗ کی بہن عابدہ مرحومہ پیدا ہوئی، اور پھر میاں ازہر شاہ سلمہٗ معرض وجود میں آئے، تجرّد سے تاہل ہوا تھا، اور اب تاہل سے عائلی اور خاندانی زندگی کی داغ بیل پڑگئی اور زندگی کے علائق ایک ایک کرکے بڑھتے رہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ وہی نکلا جو ایک تدبیر کے اختیار کرنے والے بزرگوں نے سوچا تھا کہ حضرت شاہ صاحب مقیّد ہوگئے، اور ہجرت کرجانے کا وہ جذبہ سست پڑگیا، بالآخر ترک کردینا پڑا، اور باطمینانِ خاطر دارالعلوم میں مسندنشین درس ہوکر علمی افادات میں مشغول ہوگئے

اِسی دَوران میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے حجاز مقدس کا قصد فرمایا اور شہرت ہوئی کہ حضرت بہ نیت ہجرت تشریف لیجارہے ہیں۔ یہ شہرت تو غلط ثابت ہوئی لیکن تشریف بری محقق تھی۔ مگر شیخ زمانہ اور دارالعلوم کے شیخ حدیث کا دارالعلوم سے جانے کا ارادہ کرنا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ زمانہ بھی پُرآشوب ہوگیا تھا۔ حضرت کی نسبت برطانوی حکومت کو شکوک و شبہات پیدا ہوچکے تھے، اور حضرت شیخ اور دارالعلوم کے بہی خواہوں کو

ایک تو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں گورنمنٹ آپ کو تھام نہ لے، اور سب سے بڑا خطرہ دارالعلوم کی ایسی فرد فرید شخصیت نمونۂ اکابر و اسلاف اور یگانۂ روزگار ہستی سے محروم ہوجانے کا تھا، جو کچھ کم حادثہ نہ تھا۔ لیکن دارالعلوم کے ذمّہ دار مبصّرین نے حضرت شاہ صاحبؒ کو دارالعلوم میں روک کر پہلے ہی آنے والے خطرے کی روک تھام کرلی تھی، اور حضرت شاہ صاحبؒ جیسی یکتائے زمانہ ہستی کو دارالعلوم میں لاکر بٹھادیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شیخ کی دارالعلوم سے اس عارضی جدائی اور مخصوص روحانی برکات سے برائے چندے محرومی کا اثر تو ضرور ہوا، لیکن علمی حلقہ کے خلاء کا خطرہ رو براہ نہ آسکا مسند بھری بھرائی گویا موجود تھی، اگر شیخ الہندؒ برائے چندے سامنے نہ رہے تو شیخ کے مثل سامنے تھے۔

چنانچہ حضرت کے تشریف لیجانے کے بعد، حضرت شاہ صاحبؒ نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے درس ترمذی و بخاری کو سنبھال لیا، اور علمی پیاسوں کو یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ علم کے ایک بحرِ ذخّار سے محروم ہوگئے ہیں۔ بلکہ انھیں یہ محسوس ہوا کہ اگر سمندر سامنے نہیں رہا تو اس سمندر سے نکلا ہوا ایک عظیم الشان دریا ان کے سامنے ہے جو اپنی بعض امتیازی خصوصیات کے ساتھ بدل الغلط نہیں بلکہ بدل صحیح ہے جس سے بلا تامل علوم کے پیاسے سیراب ہوتے لگے اور آبحیات

قدیم وجدید سیرابی میں انھیں کوئی زیادہ فرق محسوس نہ ہوا۔

بلکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے درس میں نہیں تھیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کا اندازِ درس درحقیقت دنیائے درس و تدریس میں ایک انقلاب کا باعث ثابت ہوا۔

اوّلاً آپ کے درسِ حدیث میں رنگ تجدیث غالب تھا۔ فقہ حنفی کی خدمت و تائید و ترجیح بلاشبہ ان کی زندگی تھی۔ لیکن رنگ محدثانہ تھا۔ فقہی مسائل میں کافی سیر حاصل بحث فرماتے۔ لیکن اندازِ بیان سے یہ کبھی مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں، بھلا اس کا قصد و ارادہ تو کیا ہوتا ہے بلکہ واضح یہ ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکمِ حدیث قبول کر رہے ہیں۔ حدیث فقہ کی طرف نہیں لیجائی جا رہی ہے، بلکہ فقہ حدیث کی طرف لایا جا رہا ہے، وہ آ رہا ہے اور حدیث کے موافق پڑتا جا رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال نکال کر پیش کر رہا ہے اور اسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

سنہ ۱۳ ھ میں علامہ سید رضا مدیر "المنار" مصر، جب

بسلسلۂ صدارت اجلاس ندوۃ العلماء لکھنؤ، ہندوستان آئے، اور دیوبند کی دعوت پر دار العلوم میں بھی تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی موجودگی میں خیر مقدم کا عظیم الشان جلسہ نودرہ ہال میں منعقد ہوا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنی برجستہ عربی تقریر میں اُن کا خیر مقدم کرتے ہوئے دار العلوم کے علمی مسلک پر روشنی ڈالی، جس کا اہم جزو یہ تھا کہ ہم تمام مختلف فیہ مسائل میں فقہ حنفی کے مسائل کو ترجیح دیتے ہیں اور تمام متعارض روایات کی تطبیق و ترجیح کے سلسلہ میں فقہ حنفی کی تائید حاصل کرتے ہیں۔ تو علامہ رشید رضا، نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کے دوران ہی میں تعجب آمیز لہجہ سے کہا کہ "کیا سارا ذخیرہ روایاتِ حدیث صرف فقہ حنفی ہی کی حمایت کے لئے اُتارا گیا ہے؟"

اِس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریر کے رُخ کو پھیرتے ہوئے اس متعجبانہ استفسار کے جواب کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ "ہمیں تو ہر حدیث میں وہی نظر آتا ہے جو ابو حنیفہؒ نے سمجھا، اور کہا ہے" اور اس پر بطور دلیل حنفیہ شافعیہ کے مشہور مختلف فیہ مسائل کی مثالیں دیتے ہوئے تطبیق روایات اور ترجیح راجح کے اپنے اُصول بیان فرمائے اور واضح کیا کہ ان اُصول کے تحت ہمیں ذخیرۂ حدیث سے کس طرح فقہ حنفی نکلتا ہوا نظر آتا ہے؟۔

فقہ حنفی کی عظمت شان کو نمایاں کرتے ہوئے دکھلایا کہ ہم محض قیاسی طور پر نہیں، بلکہ نصوصِ حدیث کے سارے ہی ذخیرہ میں عیاناً وہ بنیادیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جن پر فقہ حنفی کی تعمیر کھڑی ہوئی ہے۔

بہر حال درسِ حدیث میں آپ کے یہاں محدثانہ رنگ غالب تھا۔ اور حدیث کو فقہ حنفی کے مؤید کی حیثیت سے نہیں بلکہ اُس کے منشاء کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا، اور ہاتھ در ہاتھ اُس کے دلائل و شواہد سے اس دعویٰ کو مضبوط بنایا جاتا تھا۔

متونِ حدیث کی معتمد کتابوں کا ڈھیر آپ کے سامنے ہوتا تھا، اور تفسیر الحدیث بالحدیث کے اُصول پر کسی حدیث کے مفہوم کے بارہ میں جو دعویٰ کرتے اُسے دوسری احادیث سے مؤیّد اور مضبوط کرنے کے لئے درس ہی میں کتب پر کتب کھول کھول کر دکھائے جاتے تھے۔ اور جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح تعبیر سے مفہوم متعین ہو جاتا تھا تو نتیجۃً وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا، اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حدیث فقہ حنفی کو پیدا کر رہی ہے، یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر حدیثوں کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یعنی گویا اصل تو مذہبِ حنفی ہے محض مؤیدات کے طور پر روایاتِ حدیث سے اُسے مضبوط بنانے کے لئے یہ ساری جدوجہد کی جا رہی ہے، نہیں بلکہ یہ کہ حدیث اصل ہی لیکن

جب بھی اُس کے مفہوم کو اُس کے نحوی اور سیاق و سباق نیز دوسری احادیث باب کی تائید و مدد سے اسے مشخص کر دیا جائے تو اُس میں سے فقہ حنفی نکلتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے، اس لئے طلبائے حدیث حضرت ممدوح کے درس سے یہ ذوق لیکر اٹھتے تھے کہ ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے حقیقتاً حدیث پر عمل کر رہے ہیں، اور حدیث کا جو مفہوم ابو حنیفہؒ نے سمجھا ہے وہی درحقیقت شارع علیہ السلام کا منشاء ہے جس کو روایت حدیث ادا کر رہی ہے، بلکہ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ اس روایتِ حدیث سے امام ابو حنیفہؒ اپنا کوئی مفہوم پیش نہیں کرتے، بلکہ صرف پیغمبر علیہ السلام کا مفہوم پیش کر رہے ہیں اور خود اس حدیث میں محض ایک جویا اور ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرض حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث کی ایک خصوصیت تو یہ تھی کہ تحدیث و اخبار کے سلسلہ میں فقہ حنفی کی تائید ہوتی نظر نہیں آتی تھی، بلکہ فقہ حنفی حدیث سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا جس سے حدیث مؤید فقہ نہیں بلکہ منشاء فقہ ثابت ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جو اس مقام کے مناسب حال ہے، اور وہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ایک مناظرہ میں جو حضرت ممدوح اور ایک عالم اہلِ حدیث کے مابین ہوا، اہلحدیث عالم نے پوچھا، کیا آپ ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں؟ فرمایا، نہیں، میں خود

مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں۔

اُس نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی کی تائید کر رہے ہیں پھر مجتہد کیسے؟ فرمایا، یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد کلیۃً ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے۔ اِس طرزِ جواب سے سمجھانا یہی منظور تھا کہ ہم فقہ حنفی کو خواہ مخواہ بنانے کے لئے حدیث کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ حدیث میں سے فقہ حنفی کو نکلتا ہوا دیکھ کر استخراج اُس کا سمجھا دیتے ہیں اور طریقِ استخراج پر مطلع کر دیتے ہیں۔

بہر حال اکابر دیوبند کے مذاق کے مُطابق حضرت شاہ صاحبؒ مقلّد بھی تھے، مگر اس تقلید میں محقق بھی تھے، وہ مسائل میں پابندِ فقہ حنفی بھی تھے، مگر اس پابندی کو مبصّرانہ تحقیق سے اختیار کئے ہوئے تھے۔

جیسے مسئلۂ تقدیر میں اہلِ سنت کا مذہب بندے کے جبر و اختیار کو جمع کر کے یہ کہتا ہے کہ وہ مختار ضرور ہے، مگر مجبور فی الاختیار ہے۔

اِسی طرح مسائل فقہیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا رنگ یہ تھا کہ وہ مقلّد ضرور ہیں مگر محقق فی التقلید نہیں، اور تمام اجتہادی مسائل میں جہاں تقلید کرتے ہیں وہاں مسائل کی تمام حدیثی اور قرآنی بنیادوں کی تحقیق بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔

ایک امریکن مصنّف نے اپنی معروف کتاب "ماڈرن انڈیا" میں

زیرِ عنوان "دیوبندیوں کا اسلام" اہلِ دیوبند کا یہی جامع اضداد طریقے اپنے مختصر عنوان میں اس طرح ادا کیا ہے کہ:۔

"حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ لوگ (اہلِ دیوبند) اپنے کو مقلّد کہتے ہیں، مگر ساتھ ہی ہر مسئلہ کو پورے محققانہ انداز سے کہتے ہیں اور مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ایسی تنقیح و تحقیق کرتے ہیں کہ اس دعوائے تقلید کے ساتھ وہ بے ساختہ مجتہد بھی نظر آنے لگتے ہیں"

(انتہےٰ بمعناہ)۔

حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ یہ حضرات مجتہد فی التقلید اور محقق فی الاتباع ہیں، کورانہ تقلید یا جامد اتباع کے جال میں پھنسے ہوئے نہیں، اور "لم یخروا علیہا صُمّاً وعمیاناً" کے سچے مصداق ہیں۔

بہرحال یہ عنوان حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے درس میں اس لئے کافی بکھرا ہوا نظر آتا تھا کہ اُن کا غالب رنگ مجتہدانہ تھا اور ہر ہر مسئلہ میں حدیثی مسئلہ کی تائید حدیث ہی سے کرتے جاتے تھے۔ لیکن نتیجہ میں پہونچکر وہ مسئلہ حنفی فقہ کا مسئلہ بنجاتا تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلہ کا منشاء فلاں حدیث ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے باتباعِ حدیث، حدیث سے نکال کر پیش کر دیا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ممدوح کے علمی تبحّر اور علم کے بحرِ ذخّار

ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا اُس میں استطراداً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم و فن کی بحث آتی تھی، اگر معانی و بلاغت کی بحث آجاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم و معانی کا یہ مسئلہ اسی حدیث کے لئے واضع نے وضع کیا تھا، معقولات کی بحثیں آجاتیں اور معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لئے قلبِ نبوی پر وارد ہوئی تھی۔

غرض اس نقلی اور روایتی فن (حدیث) میں نقل و عقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ علاوہ بحثِ حدیث، کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہٖ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔

سال بھر تک یکسانی کے ساتھ مسائل پر یہ محققانہ بحثیں جاری رہتیں یہ ضرور تھا کہ ششماہی امتحان کے بعد عصر سے مغرب تک کا وقت طلبہ کا مزید لے لیتے تھے جس سے رجب کے اواخر تک یعنی امتحان سالانہ شروع ہونے سے پہلے پہلے ترمذی و بخاری یکساں شانِ تحقیق کے ساتھ ختم ہوجاتی تھیں۔

میں نے اُن مختلف، الانواع تحقیقات کو دیکھ کر ایک املائی کاپی تیار کی جس کے چوڑے اوراق میں چھ سات کالم بنائے، اور ہر کالم کے اوپر والے

سرے پر فنون کے عنوان ڈال دئے یعنی مباحثِ حدیث، مباحثِ تفسیر، مباحثِ عربیت (نحو وصرف)، مباحثِ فلسفہ ومنطق۔ مباحثِ ادبیات، (جن میں اشعارِ عرب اور فصاحت وبلاغت کی بحثیں آتی تھیں) مباحثِ تاریخ وغیرہ۔ پھر فنونِ عصریہ کے لئے ایک کالم رکھا۔ کیوں کہ موجودہ دور کے فنون جیسے سائنس، فلسفہ جدید اور ہیئت جدید وغیرہ کے مباحث بھی بذیلِ بحثِ حدیث درس میں آتے تھے، میں کالم وار ان مباحث کو املاء کرتا جاتا تھا، ان فنّی مباحث کے کالموں کے بعد کاپی کے کنارہ کا کالم حضرت ممدوح کی رائے اور محاکمہ کا تھا جس کے سرنامہ پر عنوان تھا "قال الاستاذ" اُس میں وہ فیصلے درج کرلیا کرتا تھا جو مسائل کی تدقیق وتنقیح کے بعد بطور آخری نتیجہ کے حضرت یہ کہکر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں کہتا ہوں"۔

افسوس کہ یہ بیاض جو تقریباً چار پانچسو صفحات پر مشتمل تھی، ایک کرمفرما طالب علم نے مستعار مانگی اور میں نے اپنی طالب علمانہ ناتجربہ کاری سے چند روز کے لئے اُن کے حوالہ کردی۔ اُنہوں نے وہی کیا جو کتاب کو عاریۃً مانگنے والے طلب کرتے ہیں یعنی چند دن کے بعد میرے مطالبہ پر فرمایا کہ "میں تو دے چکا ہوں آپ کو یاد نہیں رہا"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مغالطوں سے عاجز ہوکر میں نے اس ذخیرے سے صبر کرلیا، جس کو

کافی عرق ریزی اور محنت سے تیار کیا تھا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ چوری کا یہ علم خود اُن کے کام بھی آیا، اُن کے پاس سے بھی یوں ہی نکل گیا جیسے اُنہوں نے میرے ہاتھ سے نکالا تھا۔ یہ سانحہ یاد آنے پر میں اس کے سوا اور کیا کہوں کہ، اللہ اُنھیں جزاء دے۔

بہرحال حضرت شاہ صاحبؒ کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا، بلکہ فقہ، تاریخ، اَدب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی اور سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا، اور اس لئے اس جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم وفن کا مذاق لیکر اٹھتا تھا اور اُس میں یہ استعداد پیدا ہوجاتی تھی کہ وہ بضمن کلام خُدا ورسول ہر فن میں محققانہ انداز سے کلام کر جائے۔ یہ درحقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانہ کی رفتار کو دیکھکر الاستاذ الامام الکشمیریؒ نے اختیار فرمایا۔ چنانچہ کبھی کبھی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "بھائی! اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہوسکا، ہم نے سامان جمع کردیا ہے"۔ بالخصوص فقہ حنفی کے مآخذ ومناشی کے سلسلہ میں حدیثی ذخیرہ کافی ہی نہیں، کافی سے زائد جمع فرمادیا۔

پھر بھی قیامِ ڈابھیل کے زمانہ میں آخری سال، جسکے بعد درس دینے کی نوبت نہیں آئی، اور وصال ہوگیا۔ درس حدیث میں فقہی وحدیثی

تحقیقات کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا، اور ترجیح مذہب حنفی اور تطبیق روایات میں عمر بھر کے علم کا نچوڑ پیش فرمایا جس کو املا کرنے والوں نے املا کیا۔

"تائید مذہبِ حنفی" کے اس غیر معمولی اہتمام کی توجیہ کرتے ہوئے گاہ گاہ فرماتے کہ عمر بھر ابو حنیفہ رح کی نمک حرامی .... کی ہے، اب مرتے وقت جی نہیں چاہتا کہ اس پر قائم رہوں۔ چنانچہ کھل کر پھر ترجیح مذہب کے سلسلہ میں اچھوتے اور نادر روزگار علوم و معارف اور نکات و لطائف ارشاد فرمائے، جس سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ منجانب اللہ آپ پر مذہبِ حنفی کی بنیادیں منکشف ہوگئی تھیں اور ان میں شرح صدر کی کیفیات پیدا ہو چکی تھیں جس کے اظہار پر گویا آپ مامور یا مجبور تھے۔ ان علوم و معارف کے ذخیرے کو حضرت ممدوح کے دو رشید شاگردوں مولانا محمد یوسف بنوری، اور مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے الواحِ اوراق میں جمع کر کے اہلِ علم پر ایک ناقابلِ مکافاۃ احسان فرمایا ہے۔ حق تعالےٰ ان دونوں محقق فاضلوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور حضرت شاہ صاحب رح کی روحانیت سے اُن کی نسبت کو اور زیادہ قوی فرمائے۔ آمین!

حضرت ممدوح کا یہ جملہ کہ "عمر بھر ابو حنیفہ رح کی نمک حرامی کی" شاید اس طرف مشیر ہے کہ حضرت ممدوح جہاں روایاتِ حدیث میں تطبیق و توفیق

روایات کا اصول اختیار فرمائے ہوئے تھے وہیں روایات فقہیہ میں بھی آپ کا
اصول تقریباً تطبیق و توفیق ہی کا تھا۔ یعنی مذاہب فقہاء کے اختلاف کی صورت
میں حنفیہ کا وہ قول نقل فرماتے جس سے خروج عن الخلاف ہو جائے اور دونوں فقہ
باہم جڑ جائیں، اگرچہ یہ قول مفتی بہ بھی نہ ہو، اور مسلک معروف کے مطابق بھی نہ ہو،
نظر حضرت اس پر تھی کہ دو فقہی مذہبوں میں اختلاف جتنا کم سے کم رہ جائے
وہی بہتر ہے، ظاہر ہے کہ اس میں بعض مواقع پر خود امام کا قول بھی چھوٹ
جاتا اور صاحبین کا قول زیر اختیار آجاتا تھا۔ یعنی فقہ حنفی کے دائرے
سے تو کبھی باہر نہیں جاتے تھے مگر امام ابو حنیفہ کے بلا واسطہ قول سے
کبھی کبھی باہر نکل جاتے تھے، خواہ وہ بواسطۂ صاحبین ابو حنیفہؒ ہی کا قول ہو،
شاید اس کو حضرت ممدوح نے ابو حنیفہ کی نمک حرامی کرنے سے تعبیر فرمایا ہے،
جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اس توسع سے رجوع کر کے کھلے طور پر
مذہب کے معروف و مفتی بہ حصے بلکہ اقوال ابی حنیفہؒ کے اختیار و ترجیح کی
طرف طبیعت آچکی تھی، اور یہ بلاشبہ اس کی دلیل ہے کہ ابو حنیفہؒ کی خصوصیات
کے بارے میں حق تعالیٰ نے انھیں شرح صدر عطا فرما دیا تھا، اور وہ بالآخر
اسی ٹھیٹھ لکیر ہی پر جم کر چلنے لگے تھے، جن پر ان کے شیوخ سرگرم رفتار
رہ چکے تھے۔

میں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنا ہے فرماتے تھے کہ

جس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ منفرد ہوتے ہیں اور ائمۂ ثلاثہ میں سے کوئی انکی موافقت نہیں کرتا، اُس میں، میں ضرور بالضرور پوری قوت سے ابو حنیفہؒ کا اتّباع کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ضرور کوئی ایسا دقیقہ ہے جس تک امام ہی کی نظر پہونچ سکی ہے، اور پھر حق تعالےٰ اُس دقیقہ کو منکشف بھی فرما دیتا ہے۔

یہ مقولہ امام ابو حنیفہؒ کے اس مسلک کے ذیل میں فرمایا کہ قضاءِ قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ اس مسئلہ میں، میں بالضرور امام ابو حنیفہؒ ہی کی پیروی کروں گا، کیوں کہ اس میں صرف امام ہی منفرد ہیں، اور یہ تفرد اس کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی ایسی دقیق بنیاد اُن پر منکشف ہوئی ہے جہاں تک دوسروں کی نگاہیں نہیں پہونچ سکی ہیں۔

اسی قسم کا مضمون حضرت نانوتویؒ قدس سرہٗ کے بارے میں میں نے حاجی امیر شاہ خاں صاحب مرحوم سے سنا کہ حضرت والا نے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی سے گفتگو فرماتے ہوئے کہا تھا کہ میں ابو حنیفہؒ کا مقلد ہوں صاحبِ ہدایہ اور درمختار کا مقلد نہیں ہوں۔ اسلئے میرے مقابلہ میں بطور معارضہ جو قول بھی آپ پیش کریں وہ ابو حنیفہؒ کا ہونا چاہیے، دوسروں کے اقوال کا میں جوابدہ نہ ہونگا۔ اس سے بھی یہی نکتہ نکلتا ہے کہ فقہ حنفی میں اصل بنیادی قول ان حضرات کے نزدیک خود امام کا ہوتا تھا، اور وہی درحقیقت فقہ حنفی

کی اساس ہونے کا حق بھی رکھتا تھا۔

پس ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ پر آخری عمر میں یہی نکتہ منکشف ہوا ہو جو اُن کے شیوخ پر منکشف ہوا تھا، اور اُس کے خلاف توسع کو وہ ابو حنیفہؒ سے نمک حرامی کرنے کی تعبیر سے اِس مقصد کو ظاہر فرما رہے ہوں

اِسی کے ساتھ درسِ حدیث کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کے اختلافات بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی مناظرانہ صورتِ حال بھی پیدا ہوجاتی تھی۔ ان مناظرانہ مباحث اور فرعیاتی اختلافات سے کتاب و سُنت کے ہزارہا مکنون علوم وا شگاف ہوتے تھے جو اس اختلاف کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہ تھے، اور پھر ان فرعیات کا تزاحم، اور تزاحم کے بعد قولِ فیصل حضرت ممدوح کے قلب و لسان سے ظاہر ہوتا تو ظرف کی خصوصیات لگ جانے سے عجیب و غریب اور نئے نئے علوم پیدا ہوئے، پھر ان تزاحمات میں محاکمہ اور ترجیح کے سلسلہ سے جو تنقیحات بیان ہوئیں وہ خود مستقل علوم و معارف کا ذخیرہ ہوتی تھیں۔

غرض ایجابی اور سلبی دونوں قسم کے علوم کی نیرنگیاں حلقۂ درس کو ایک رنگین گلدستہ بنائے ہوئے تھیں جس میں رنگ رنگ کے علمی پھول چُنے ہوئے ہوتے تھے، تفنن علوم کی رنگینیوں کے ساتھ آپ کے درس میں ایک خاص شوکت بھی ہوتی تھی، کلام میں تمکن اور قوتِ الفاظ میں شوکت و

حشمت اور کلام کے وقت حضرت ممدوح کی ہیئت کذائی کچھ ایسے انداز کی ہوجاتی تھی جیسے کوئی بادشاہ اپنا حاکمانہ فرمان سُنا رہا ہے بالخصوص ائمہ مجتہدین کے متبعین علماء کے کلام پر بحث و تنقید چھڑ جاتی تو اُس وقت معارضانہ اور ناقدانہ کلام کی شوکت اور بھی زیادہ اُبھری ہوئی دِکھلائی دیتی تھی، نگاہیں تیز ہوجاتیں، آواز قدرے بلند ہوجاتی اور گردن اُٹھاکر بولتے تو ایک عجیب پُرشوکت اور رُعب افزا کلام معلوم ہوتا تھا۔

بعض مواقع پر مثلاً حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے تفردات کا ذکر آتا، تو پہلے اُن کے علم و فضل اور تفقہ و تبحّر کو سراہتے، اُن کی عظمت و شان بیان فرماتے، اور پھر اُن کے کلام پر بحث و نظر سے تنقید فرماتے، جس میں عجیب متضاد کیفیات جمع ہوتی تھیں، ایک طرف ادب و عظمت اور دوسری طرف ردّ و قدح یعنی بے ادبی اور جسارت کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی بچتے، اور راجح اور صواب میں کتمانِ صواب سے بھی دُور رہتے۔ کبھی کبھی علمی جوش میں اگر برنگِ مزاح بھی ردّ و قدح فرماتے تھے، جو بجائے خود ہی ایک مستقل علمی لطیفہ ہوتا تھا۔

ایک بار غالباً استواء علی العرش کے مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ اور اُن کے مسلک اور دلائل کا تذکرہ آیا تو پہلے اُسے شرح وبسط سے بیان فرمایا۔ پھر اُن کے علم کی عظمت و شان کو کافی وسیع اور عقیدت

بھرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ حافظ ابن تیمیہؒ جبالِ علوم
میں سے ہیں، اُن کی رفعتِ شان اور جلالتِ قدر کا یہ عالم ہے کہ اگر میں اُنکی
منزلت کو سر اُٹھا کر دیکھنے لگوں تو ٹوپی پیچھے کی طرف گر جائے گی اور پھر بھی نہ
دیکھ سکوں گا۔ لیکن با ایں ہمہ مسئلہ استواء علی العرش میں اگر وہ آنے کا ارادہ
کریں گے تو درس گاہ میں نہیں گھسنے دوں گا۔ یا کبھی اُن اکابر متقدمین کے
کسی موہم یا شرح طلب کلام کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے کہ ہر شخص اپنی
ہی جلالتِ شان کے مطابق کلام کرتا ہے، اُسے کیا خبر ہوتی ہے کہ بعد میں
ہم جیسے کم بھی آنے والے ہیں جو اس کلام کی عظمت میں غلطاں و
پیچاں ہو کر رہ جائیں گے۔

بہر حال درس کا انداز ایک عجیب نیرنگی کا رنگ لئے ہوئے تھا جو
بالکل انوکھی تھی، جس میں علوم وفنون بھی ہوتے تھے، تائید و تنقید بھی ہوتی
تھی، علوم و معارف کے ساتھ علمی مزاح اور لطائف و ظرائف بھی ہوتے
تھے، جس سے ہر استعداد کا طالب علم لطف اندوز ہوتا تھا، حتیٰ کہ کبھی
کبھی خود طلبہ کے ساتھ بھی علمی رنگ کا مزاح فرما لیتے تھے۔

عصر مغرب کے درمیان ایک دن بخاری کا درس زور شور سے ہو رہا
تھا، احقر بھی اُس سال بخاری میں تھا کہ اچانک کتاب بند کر دی، اور
فرمانے لگے کہ جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہو گئے تو اب درس کا

کیا لُطف رہا جاؤ تم بھی گھر کا رستہ لو۔

ہم سب حیران ہوئے کہ کون بھائی شمس الدین، اور وہ آئے کب تھے! اور رخصت کب ہو گئے؟ ہماری حیرانی کو دیکھ کر سُورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو غروب ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ "جاہلین! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں، اب کیا اندھیرے میں سبق پڑھو گے، کیا وہ لُطف کا سبق ہو گا؟۔

ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالب نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے۔ فرمایا کہ "جاہل! تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اِس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا، وہ اپنے پاس والے کو مارے گا، وہ اپنے پاس والے کو تھپڑ رسید کرے گا، یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلۂ سند تجھ تک پہونچ جائے گا"۔

یہ تہدید بھی تھی اور حکیمانہ رنگ سے فنی اصطلاحات میں ایک مزاح بھی تھا، جس سے طلبہ کی تنشیط (نشاط میں لانا) مقصود تھا۔

ایک دفعہ مسائل فقہیہ کے ذیل میں نابالغ کی امامت کا ذکر آگیا، کہ اُسکے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ فرمانے لگے کہ مسئلہ تو یہی ہے، مگر بعض نابالغوں کے پیچھے ہو بھی جاتی ہے (اُس زمانہ میں حضرت ممدوح ہی مسجد دارالعلوم

میں امامت کرتے تھے)، فرمانے لگے کہ "تم نے کبھی پیر نابالغ بھی دیکھا ہے؟ جو ساٹھ برس کا بھی ہو، اور نابالغ بھی؟ جاہلین! وہ ساٹھ برس کا نابالغ میں ہوں (اس وقت تک حضرت ممدوح کی شادی نہیں ہوئی تھی)۔ اشارہ اسی طرف تھا۔

ایک دفعہ ملا علاؤ الدین میرٹھی جو اس زمانہ میں قلفی کا برف بیچا کرتے تھے اور دودھ مٹھائی کی دوکان کرتے تھے نہایت دیندار اور وضعدار آدمی ہیں۔ قلفی برف کا مٹکا لیکر دار الاہتمام میں پہونچ گئے، جہاں حضرت والد ماجد کے پاس اس وقت حضرت شاہ صاحب اور چند اور اکابر مدرسین تشریف فرما تھے۔ حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے ملاجی کو روک کر برف کی قلفیاں کھولنے کے لئے فرمایا۔ یہ سب حضرات قلفیاں تناول فرماتے رہے۔ کھانے کے دوران میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ملاجی سے پوچھا کہ "آپ اس برف کی تجارت میں ماہانہ کتنا پیدا کر لیتے ہیں؟" کہا کہ "ساٹھ روپے ماہوار"۔ اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تنخواہ بھی ساٹھ ہی روپے ماہوار تھی۔ مسکرا کر فرمانے لگے، "تو پھر تمہیں دار العلوم کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں۔

بہر حال حضرت شاہ صاحبؒ کا حلقۂ درس اور ساتھ ہی دوسری مجالس علم و کمال کے ساتھ ظرافت سے بھی معمور ہوتی تھی جو انکی زندہ دلی اور

نقفہ نفس کی دلیل تھی، احساس ذیل ہیں کتنے ہی علوم و معارف بے ساختہ نکلے ہوئے ارباب مجلس کے ہاتھ پلتے پڑ جاتے تھے۔ مگر اس کے باوجود مجلس شرعی آداب سے بھرپور ہوتی تھی جس میں غیر متعلق یا فضول اور لایعنی باتوں کا کوئی وجود نہ ہوتا تھا۔

اگر کسی شخص نے کسی کی برائی یا فضول بات شروع کی تو معاً فرماتے کہ "بھائی ہمیں اس کی فرصت نہیں ہے، کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو پوچھو ورنہ جاؤ ہمارا وقت ایسی باتوں کے لئے فارغ نہیں ہے" وقت کی بہت زیادہ قدر اور حفاظت فرماتے تھے۔

اوقات کا بڑا حصہ مطالعہ کتب میں گذرتا تھا، ذوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ طبعی اور شرعی ضروریات کے علاوہ کوئی وقت کتب بینی یا افادہ سے خالی نہ رہتا تھا۔

ایک دفعہ فرمایا کہ "فتح الباری کا (جو تیرہ ۱۳ جلدوں کی کتاب ہے) تیرہویں ۱۳ مرتبہ مطالعہ کر رہا ہوں" اور یہ بھی فرمایا کہ "میں درس کے لئے کبھی مطالعہ نہیں دیکھتا، مطالعہ کا مستقل سلسلہ ہے اور درس کا مستقل، اس لئے ہر سال درس میں نئی نئی تحقیقات آتی رہتی ہیں" حقیقت یہ ہے کہ اُس درس کے لئے مطالعہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب وقت کے تمام گوشے مطالعہ سے پُر تھے، گویا مطالعہ لامحدود

تھا تو محدود مُطالعہ کی ضرورت بھی کیا تھی؟ کتبِ درسیہ اور بالخصوص کتبِ حدیث کے فنی مباحث طبیعت ثانیہ بن چکے تھے، اور ہمہ وقت کے مُطالعہ سے اُن میں روز بروز بسط و انبساط کی کیفیات پیدا ہوتی چلی جارہی تھیں اور مباحثِ درس گھٹنے یا قائم رہنے کے بجائے خود ہی یوماً فیوماً بڑھتے رہتے تھے تو اُنھیں جزوی مطالعہ سے بڑھانے کے کوئی معنی بھی نہ تھے، بلکہ شاید یہ مقررہ جزوی مُطالعہ علوم کے بڑھتے ہوئے بسط میں کچھ نہ کچھ حارج اور حد بندی ہی کا سبب بنجاتا۔

پھر یہ عام مُطالعہ محض کتبِ درسیہ یا شروح و حواشی اور منہیاتِ درس تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ تمام فنون کی ہر میسر آمدہ کتاب تک پھیلا ہوا تھا جس میں کسی علم و فن کی تخصیص نہ تھی۔ ذہن کسی ایک فن کے ساتھ مقید نہ تھا بلکہ مطلقاً علم کے بارہ میں ہل من مزید کا ذوق رکھتا تھا۔ اور حدیث "منہومان لایشبعان" کا صحیح مصداق تھا۔

مصر تشریف لے گئے تو اوقات کا بڑا حصّہ کتب خانہ خدیویہ کی کتب کے مُطالعہ میں صرف ہوتا۔ حجاز حاضر ہوئے تو حرمین کے کتب خانے کھنگال ڈالے اور فرائض و تطوعات کے بعد گویا آپ کی عبادت یہ تجسّر اور کتب بینی تھی۔ مرضِ وفات میں اطبّاء نے مُطالعہ کی ممانعت کردی، لیکن جب بھی موقع ملا جب ہی کتب بینی شروع کردی۔ اطبّاء نے کہا

کہ حضرت اِس سے مرض بڑھ جائے گا۔ فرمانے لگے کہ "بھائی کتب بینی خود ہی میرا مستقل مرض ہے اور لاعلاج ہے"۔

مُطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ فلسفۂ جدید، ہیئت جدید، حتٰی کہ فنِ رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی مُطالعہ سے نہ چھوڑا۔

جب بھوپال شادی کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک جماعت نے عصری فنون کی کچھ بحثیں چھیڑ دیں آپ نے اُنہی فنون کی اصطلاحات میں بحوالۂ کتب جوابات دیئے۔ اور فرمایا کہ "یہ نہ سمجھنا کہ ہم لوگ اِن فنون سے نابلد ہیں، ہم ان عصری فنون کی کتابوں کا مُطالعہ بھی کافی کئے ہوئے ہیں اور ان فنون کی بُنیادوں کو بھی جانتے ہیں"۔ یہی صورت مسائل حاضرہ کے مُطالعہ کی بھی تھی۔

سفرِ پنجاب کے سلسلہ میں جب لاہور پہونچے، تو یہ زمانہ سُود کی تحریک کا تھا۔ مُسلمانوں کی ایک جماعت اقتصادی وجوہ پر سُودی بنکوں کا قیام مُسلمانوں کے لئے ضروری سمجھ رہی تھی۔ مولوی طفیل احمد صاحب منگلوری رسالہ "سُود مند" نکال رہے تھے اور جوازِ سُود کا پرچار شدومد سے کیا جا رہا تھا۔ لاہور پہونچنے پر حضرت کی قیام گاہ پر لوگ مِلنے کے لئے آنے لگے، مجمع ہو گیا۔ مولٰنا ظفر علی خاں بھی آ گئے، اور جوازِ سود کے بارہ میں اقتصادی دلائل سے بھری ہوئی ایک تقریر کی،

جس میں ضرورتِ سود پر کلام کیا گیا تھا۔

مقصد یہ تھا کہ حضرت ممدوح بھی اُس کی تائید میں کچھ فرما دیں،
حضرت شاہ صاحبؒ نے ساری بسیط تقریر سُنکر جواب میں فرمایا کہ "بھائی
جسے جہنّم میں جانا ہو وہ خود جائے ہماری گردن کو پُل نہ بنائے کہ اُس سے
گذر کر پہونچے"۔ اور اُس کے بعد سُودی کاروبار کے مضرات اور اس تحریک
کے غلط ہونے پر سیر حاصل علمی بحث فرمائی، جس سے لوگوں کے خیالات
کی کافی حد تک اصلاح ہوئی۔

علامہ اقبال مرحوم کے خیالات کی بہت حد تک اصلاح حضرت
ممدوح کے ارشادات سے ہوئی۔ اُن کے آٹھ آٹھ صفحات کے خطوط
سوالات و شبہات سے پُر آتے تھے، اور حضرت اُن کے جوابات لکھتے
جس سے اُن کے قلب کی راہ بنتی چلی گئی۔

غرض کثرتِ مُطالعہ صرف درسی علوم کی کتب تک محدود نہ تھا؛
عصری علوم و فنون کا مُطالعہ جاری رہتا تھا، جس سے نو تعلیم یافتہ نوجوان
طبقہ بھی مرعوب اور مستفید تھا۔

مَیں نے ۱۳۵۲ھ میں اپنے ایک عربی قصیدے "نونیۃ الآحاد"
کے طبع کرانے کا ارادہ کیا۔ اس قصیدے میں اُمت کے مشاہیر علم و فن
کی مختصر مختصر سوانح نظم و نثر میں جمع کی گئی ہیں، جسے اُس زمانہ میں

طبع کرایا گیا تھا، اور اب چھوٹی خوبصورت تقطیع پر برخوردار مولوی حافظ قاری محمد سالم سلمہٗ نے اپنے ادارہ تاج المعارف، کی طرف سے دوبارہ طبع کرایا ہے، اِس قصیدے میں ابوالحسن کذّاب کا نام بھی مشاہیر کے سلسلہ میں آیا ہے کہ یہ صفت کذب اور دروغ گوئی میں مشہور اور یکتائے روزگار تھے، مجھے اُن کی تاریخ نہ ملی جو اس قصیدے میں درج کرتا اس صورت میں ہم لوگوں کی آخری دَوڑ یہ ہوتی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ تک پہونچ جاتے تھے، اور اُس سلسلہ میں بلا محنت و مشقت علم کا نایاب اور وسیع ذخیرہ لیکر گھر آجاتے تھے جو برسہا برس کے ذاتی مُطالعہ سے بھی حاصل ہونا دشوار تھا۔

میں اپنے اِسی معمول یہ دستور کے مُطابق حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اُن کے دولت خانے پر حاضر ہوا۔ مرض وفات اپنی آخری حد پر پہونچ چکا تھا اور وہ تین ہفتہ بعد ہی وصال ہونے والا تھا، کمزور بیحد ہوچکے تھے، لیٹنے بیٹھنے میں بیحد تکلّف ہوتا تھا۔ اطلاع کرنے پر مجھے حسب معمول گھر میں بلالیا، اور عادت تھی کہ جب بھی میں پہونچتا تو کسی نہ کسی چیز سے تواضع فرماتے۔ فوراً چائے بنانے کا حکم دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت ممدوح کا دارالعلوم سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور میں اُس زمانہ میں عہدۂ اہتمام دارالعلوم پر تھا۔ لیکن حضرت ممدوح کے اس

رسمی تعلق کے انقطاع، بلکہ اس سے بھی پہلے فتنہ ۷۶ء کے زمانہ میں میرا تعلق اُن سے وہی رہا جو پہلے سے تھا۔ حتیٰ کہ آمدورفت بھی منقطع نہیں ہوئی اسے حضرت شاہ صاحبؒ بھی محسوس فرماتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے پھر یہ تعلق کوئی رسمی یا دنیوی نہ تھا جو قطع ہو جاتا، بلکہ روحانی تھا اور قدیم تھا جو ناممکن الانقطاع تھا، گو درمیانی مدت میں قضاء و قدر سے وہ مستور اور مغلوب سا ہو گیا تھا، اور تکوینی طور پر "اَنْ نَزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ" فتنہ زا منظر کا ظہور ضرور ہوا، تاہم یہ سب سطحی بات تھی قلبی طور پر محبت و عقیدت کا علاقہ بدستور قائم تھا اور اس میں جتنا کچھ رخنہ پڑ گیا تھا، مرورِ ایام سے اس میں بھی اضمحلال آچکا تھا، اس لئے از اول تا آخر میرے لئے حضرت ممدوح کے قلبِ مبارک میں کافی گنجائش تھی جس کا ظہور میری گاہ بگاہ حاضری پر ہوتا رہتا تھا، اس موقع پر بھی حسبِ معمول اس بزرگانہ شفقت سے پیش آئے، چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد متوجہ ہوئے۔ فرمایا

"مولوی صاحب کیسے تشریف لائے؟"

میں نے عرض کیا "حضرت ابوالحسن کذاب کا ترجمہ نہیں ملتا، اس کے بارہ میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں"۔ فرمایا "ادب و تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے"، تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دئے، اور اُن کے مظان و مواقع کی نشاندہی فرما دی۔ میں نے عرض کیا

کہ حضرت مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں، صرف اُن کی صفت کذب و دروغ گوئی کے حالات معلوم کرتے ہیں مگر اُن کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اُس کے نیچے ان خاص واقعات کا مُطالعہ کر لوں۔

فرمایا" مولوی صاحب آپ نے بھی کمال کیا۔ صفتِ کذب کونسی صفت ممدوح ہے کہ لوگ اُس پر عنوانات قائم کر کے اُس کے واقعات دِکھلائیں۔ ایسی مذموم صفات و افعال کا تذکرہ توضمناً اور استطراداً آجاتا ہے، عنوان ہمیشہ کمالات پر قائم کئے جاتے ہیں نہ کہ نقائص و عُیوب پر۔ ان کُتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجئے، ضمناً اُس کی صفتِ کذب کا بھی تذکرہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔

مَیں نے عرض کیا کہ" حضرت مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہ رہیں گے، چہ جائیکہ اُن کے یہ مظان اور مواقع محفوظ رہیں نیز اِنتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اِتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لئے اِتنا طویل و عریض مُطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرما دیں میں اُن ہی کو آپ کے حوالہ سے جزوِ کتاب بنا دوں گا۔ اِس پر مُسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اُس کے سنِ ولادت سے سنِ وفات تک بیان فرمانی شروع کر دی، جس میں اُس کے جھوٹ کے عجیب و غریب واقعات

بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ شخص، مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا"۔ پھر اُس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مُطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ "حضرت شاید کسی قریبی ہی زمانہ میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟" سادگی سے فرمایا "جی نہیں، آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا۔ خدیوی کُتب خانہ میں مُطالعہ کے لئے پہونچا، تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اُس کا مُطالعہ دیر تک جاری رہا، بس اُسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں، جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا"۔

اللہ اکبر! یہ واقعات حدیث و تفسیر اور فقہ و اُصول کے اُن مباحث سے تعلق نہ رکھتے تھے جو اُن کے متداول فنون اور روزمرہ کے مشاغل میں سے تھے۔ بلکہ ایک غیر متعلق بات اور وہ بھی چالیس سالہ مدت کی، ذہن میں آئی ہوئی، اور اوپر سے وہ بھی کسی اہتمام سے نہیں، محض اتفاقی طور پر اور سرسری انداز سے ذہن میں آئی ہوئی چیز تھی،

اُس کا اِتنا استحضار عام معتاد حافظہ سے بالاتر، کراماتی حافظہ سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ جس علم و فن میں بھی گفتگو فرماتے، تبحّر و استحضار کی یہی نوعیت ہوتی تھی، کہ گویا اِس مسئلہ کو ابھی دیکھکر اور ذہن میں سمیٹ کر آرہے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب لمہ اللہ تعالےٰ صدر جمعیۃ علماء دھلی کا حضرت ممدوح کو "چلتا پھرتا کتب خانہ" کہنا حقیقتاً اظہارِ حقیقت پر مبنی ہے، اور حضرت ممدوح اِس لقب کے جائز طور پر ہی نہیں، بلکہ واجبی طور پر مستحق ہیں۔

وفورِ مطالعہ اور اُس کے ساتھ قوّتِ حافظہ ایسا ہی ہے جیسے سرمایہ دار سرمایہ کے ساتھ سخی دل بھی ہو۔ بخیل سرمایہ دار ہو تو بے فیض اور بے نتیجہ ہے۔ جیسے بعض کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے۔ لیکن قوتِ حافظہ نہ ہونے کے سبب اُن کا وقتی شوقِ مطالعہ تو پورا ہو جاتا ہے مگر خود اُن کو یا دوسروں کو اس مطالعہ کی کاوشوں سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جس درجے مطالعہ وسیع تھا اُسی درجے حافظہ بھی قوی تھا۔ گویا ذہن و حافظہ ہر وقت تیار رہتے تھے کہ آنکھیں یا کان کچھ لائیں تو وہ فوراً اُسے جمع کرلیں۔

بلاشبہ حضرت ممدوح کے اِس غیر معمولی حافظہ سے حفاظِ سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی، انھیں غیر متداول بلکہ غیر معروف کتب کی عبارتیں بھی اِس درجہ مستحضر رہتی تھیں کہ وقت پڑنے پر بے تکلف پیش کردیا کرتے تھے اور علمار حیرت زدہ ہوکر رہجاتے تھے۔

تحریکِ خلافت کے دَور میں جب امارتِ شرعیہ کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خاں صاحب گورکھپوری نے اِس مسئلہ میں اپنے بعض نقاطِ نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو اُن کے نقطۂ نظر کی تو مؤید تھی مگر مسلکِ جمہور کے خلاف تھی۔ یہ عبارت وہ لیکر خود دیوبند تشریف لائے اور مجمعِ علمار میں اُسے پیش کیا۔ تمام اکابر دار العلوم حضرت شاہ صاحب کے کمرے میں جمع تھے۔ حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رَدّ ہی کرسکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی، اور نہ اُسے قبول ہی کرسکتے تھے کہ مسلکِ جمہور کے صراحتہً خلاف تھی، یہ عبارت اِتنی واضح اور صاف تھی کہ اُسے کسی تاویل و توجیہ سے بھی مسلکِ جمہور کے مطابق نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجے کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے، وضو کرکے واپس ہوئے، تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا، اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق و توفیق بھی نہیں پڑتی ——،

حضرتِ ممدوح حسبِ عادت حسبنا اللہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے، اور عبادت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا کہ "اِس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے، درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے"

اُسی وقت کتب خانے سے کتاب منگائی گئی، دیکھا گیا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر درمیان میں سے حذف ہوئی تھی۔ جوں ہی اس ساقط کردہ سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا، عبارت کا مطلب مسلکِ جمہور کے موافق ہو گیا، اور سب کا تحیّر رفع ہو گیا۔

بہر حال حافظہ و انتقالِ ذہنی کے لحاظ سے حضرت ممدوح آیت من آیات اللہ تھے، جس کی نظیر ان قریبی زمانوں میں نہیں ملتی۔

حضرت ممدوح کی اس تبحّر پسندی اور ذوقِ زیادتِ علم کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ میں بھی وہی ذوقِ تبحّر پیدا ہونے لگا۔ ہر طالبِ علم کوشش کرتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ کتب کا مطالعہ کرے۔ زیادہ سے زیادہ تحقیق کے ساتھ مسئلہ کی تہہ تک پہونچے۔ اُس دور میں ہر چھوٹے بڑے کا یہ ذہن بن گیا تھا اور اُس کے آثار زمانہ طالب علمی ہی میں نمایاں ہونے لگتے تھے۔

چنانچہ اُس زمانہ کے متعدد طلبائے دورۂ حدیث نے اچھے اچھے قابلِ قدر رسالے اور مضامین سے اپنے علمی تبحّر کا ثبوت دیا۔ میں نے ادب و تاریخ کے سلسلہ میں رسالہ "مشاہیر اُمت" لکھا۔ مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب حال ساکن پاکستان نے "ختم النبوۃ فی القرآن" اور "ختم النبوۃ فی الحدیث" کا رسالہ دو جلدوں میں مرتب کیا۔ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" لکھا۔ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی نے بھی کئی رسالے لکھے، اور تقریباً دو تین سال کے عرصہ میں احاطۂ دار العلوم سے اٹھارہ انیس رسالے شائع ہوئے۔

یہ درحقیقت وہی ذوق تھا جو حضرت ممدوح کے درسِ حدیث سے طلبہ لیکر اُٹھتے تھے، اور علمی طور پر اپنے اندر زمانۂ طالب علمی ہی میں ایک ایسی قوت محسوس کرنے لگتے تھے کہ گویا وہ تمام علوم و فنون پر حاوی ہیں، اور علم اُن کے اندر سے خود بخود ابھر رہا ہے، وہ کتب بینی محض عنوان بیان تلاش کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

حضرت ممدوح کے یہاں علم کے اس غیر معمولی شغف و انہماک، اور ہمہ وقت کے شغل کے باوجود عمل بالسنۃ اور اتباعِ سلف کے اہتمام میں ذرہ برابر کمی اور کوتاہی نہ ہوتی تھی۔

ہم بہت سی سنتیں اُن کے عمل دیکھکر معلوم کر لیا کرتے تھے، کھانا کھانے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے کے بجائے ہمیشہ حسب معمول نبوی صلعم پاؤں کے تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔ اکڑوں بیٹھکر کھانا کھاتے تھے، کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے تھے، اور دونوں ہاتھ

مشغول رکھتے تھے، بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اُسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے، لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔

یہی صورت لباس کی تھی، پاجامہ نیم ساق سے کبھی نیچا نہ ہوتا تھا عمامہ کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔ سردیوں میں اکثر و بیشتر سبز یا سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال فرماتے تھے۔ زہد و تقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھُلے ہوئے چہرے پر برستا تھا۔ ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر حضرت ممدوح کا سُرخ و سفید رنگ، کشادہ پیشانی، اور ہنس مُکھ چہرہ کی مجموعی وجاہت و عظمت دیکھ کر کہا تھا کہ "اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے"۔

جمعہ کے لئے جاتے تو "فاسعوا الی ذکر اللہ" کا منظر سب کو نظر آتا، سعی اور دوڑ کی شان، تیز رفتاری اور لمبے لمبے قدم ڈالنے کی چال سے نمایاں ہوتی تھی۔ حسبنا اللہ تکیۂ کلام تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے اکثر و بیشتر حسبنا اللہ فرماتے، اور ایسے ہی موقع بموقع "اللہ اجل" فرماتے رہتے تھے۔ درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی جسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے، انشاد قصائد اور وعظ میں خوف و خشیت کے اشعار اکثر تر آنکھوں کے ساتھ پڑھتے جس سے چہرہ مظہرِ خشیتِ الٰہی نظر آتا تھا اور سامعین کی آنکھیں تر ہو جاتی تھیں۔ ٹھیک طریقۂ نبوی کے

مُطابق کن انکھیوں سے دیکھتے اور جدھر متوجہ ہوتے، پُورے پُورے متوجہ ہوتے تھے۔ ادبِ علم کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمایا کہ "میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ چنانچہ سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے، گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ "میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضوء نہیں کیا۔"

سُبحان اللہ! کہنے کو تو یہ بات بہت چھوٹی سی نظر آتی ہے لیکن اُس پر استقامت اور دوام ہر ایک کے بس کی بات نہیں، یہ وہی کر سکتا ہے جسے حق تعالیٰ نے ایسے کاموں کے لئے موفّق اور میسّر کر دیا ہے اور وہ گویا بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اُس سے دینی آداب کے عملی نمونے پیش کرائے جائیں "کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ" ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند ؛ میل اُو را در دلش انداختند

ادبِ شیوخ و اکابر کا یہ عالم تھا کہ اُن کے سامنے کبھی آنکھ اُٹھا کر یا آنکھ ملا کر گفتگو نہ فرماتے۔

فتنہ ۱۳۴۲ھ میں جب معاملہ حدود سے بڑھنے لگا، اور حضرت ممدوح نے مدرسہ میں آنا اور درس دینا چھوڑ دیا جس سے طلبہ میں انتشار پھیل گیا ،ور اسٹرائک کی صورت پیدا ہوئی، تو حضرت والد ماجدؒ نے بلا واسطہ اس مسئلہ کو سلجھانے کی سعی فرمائی، اور ایک دن اچانک صبح کے وقت حضرت ممدوح کے مکان پر تنِ تنہا پہونچ گئے، اور اطلاع ہونے پر اک دم گھبرا کر حضرت ممدوح باہر تشریف لائے اور اسی سابقہ نیازمندی کے ساتھ بہت ہی مؤدبانہ انداز سے پردہ کرا کر گھر میں لے گئے۔ گردن جھکا کر عرض کیا کہ "حضرت اس وقت اچانک کیسے تکلیف فرمائی؟"

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ "حضرت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میرا بھی آپ پر کوئی حق ہے؟" فرمایا "ہے، اور یہ ہے کہ اگر آپ میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا"

والد ماجد نے فرمایا کہ "بارک اللہ! بس تو میری گزارش یہ ہے کہ آپ ان قصوں کو چھوڑ دیں اور مدرسہ چلیں، اور میرے ساتھ چلیں"

فرمایا، بہت اچھا! حضرت نے چند معاملات پیش فرمائے کہ حضرت انھیں یوں کر دیا جائے۔ والد ماجد نے فرمایا کہ "آپ کا منصب مطالبہ کرنے کا نہیں، مطالبے پورے کرنے کا ہے، آپ اپنے قلم سے جو مناسب سمجھیں حل کر خود کر دیں" اس پر ساتھ ہولئے اور مدرسہ میں پہونچ گئے۔

سب کو حیرت اور بے انتہا مسرت ہوئی کہ سارا فتنہ ختم ہو گیا۔

والد ماجد نے فرمایا کہ "یہ سب مطالبے آپ خود جاری کر دیں اور درس شروع کرا دیں"۔ فرمایا کہ "حضرت اتنی اجازت دیں کہ ظہر کے بعد حاضر ہو کر درس شروع کروں"۔ فرمایا "مضائقہ نہیں"۔ حضرت ممدوح تشریف لے گئے۔ مگر پھر ظہر کے بعد تشریف نہیں لائے، اور معلوم ہوا کہ لوگوں نے مجبور کر کے روک دیا۔

مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ زمانۂ اختلاف میں ادب و توقیر اور تسلیم و رضا کا بذاتِ خود یہ عالم تھا جو اس واقعہ میں آپ نے دیکھا۔

تقریری افادہ کے ساتھ تحریری افادہ یعنی تصنیف کا بھی آپ میں کافی ذوق تھا۔ حدیث میں متعدد نافع اور نادرۂ روزگار رسالے تالیف فرمائے، اور علمی ترکہ میں چھوڑے جیسے "نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین" "فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب"۔ "رفع الستر عن مسئلۃ الوتر"۔ اکفار الملحدین خاتم النبیین" (فارسی)۔

مرضِ وفات میں رو کر فرمایا کہ "ہم نے عمر ضائع کی اور کوئی کام آخرۃ کے لئے نہ کیا۔ یہ رسالہ "خاتم النبیین"۔ اس لعین قادیانی کے رد میں لکھا ہے توقع ہے کہ شاید یہ رسالہ میری نجات کا ذریعہ ہو جائے"۔

دار العلوم کے سنین قیام ۱۳...ھ سے تقریباً اواخر سنین میں کلام

مسائل کی طرف توجہ ہوئی۔ ابتدائی ایام میں کلامی مسائل میں زیادہ ذوق سے
کام نہیں فرماتے تھے۔ نقل و روایت کا غلبہ تھا۔ آخر عمر میں ذوق ابھرا
تو خارج اوقات میں دوپہر کے ابتدائی حصہ میں کتاب شروع کرائی، احقر بھی
اُس میں شریک تھا۔ اُس میں بالخصوص حضرت نانوتوی قدس سرہٗ
کی کتب کے حوالہ سے کلامی مسائل میں اُن کے علوم کو بیان فرماتے۔
اور اُن کی شرح فرماتے، اور آخر کار اُن علوم کے عنوانات منضبط کرنے
کے لئے عربی کا ایک قصیدہ خود ہی موزوں فرمایا جو "ضرب الخاتم علی
حدوث العالم" کے نام سے چھپ چکا ہے، اُس کے ایک ایک شعر
میں بہت سے مسائل کھپا دئے ہیں، ساتھ ہی اُن کی تشریحات کیلئے
ماخذوں کے حوالے دیتے گئے ہیں، جن میں تمام کتب معقول و مباحث
فلسفہ کے حوالوں کے ساتھ علوم قاسمیہ کی کتب مثلاً "تقریر دلپذیر"
"انتصار الاسلام"، "مباحثہ شاہ جہاں پور" وغیرہ کے حوالے بکثرت
ملتے ہیں۔ خط نہایت پاکیزہ تھا، حرف موتیوں کی طرح جڑے ہوئے نظر
آتے تھے اور بہت خوبصورت ہوتے تھے۔ باریک قلم سے لکھتے تھے
اور مختصر نویسی کے ساتھ لکھنے کی عادت تھی، اکثر تحریریں اشارات ہوتے
تھے جنکو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا تھا۔
فن ادب اور شاعری کا ذوق بہت بلند پایہ تھا، دار العلوم میں

عام اجتماعات یا کسی بڑی شخصیت کے قدوم یا کسی اہم حادثہ کے وقوع پر قصائد قلمبند فرماتے اور انھیں مجمع میں سُناتے، پڑھنے کا طرز نہایت دلکش تھا۔ ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے سامعین پر گہرا اثر پڑتا تھا، عربی اور فارسی کی بلاغت اعلیٰ مقام تک پہونچی ہوئی تھی۔

فرماتے کہ "مقامات حریری جیسی عبارت ایک گھنٹے میں چار ورق برجستہ لکھ سکتا ہوں۔ لیکن ہدایہ جیسی عبارت چار مہینوں میں بھی چار سطر نہیں لکھ سکتا" اُردو سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ لیکن کلام بہر حال بلیغ ہوتا تھا۔ مگر عربیت آمیز۔

اِس اُردو اجنبیت کی وجہ سے ہم لوگوں میں اُردو کی ایک گونہ تحقیر قائم ہو گئی تھی، اُردو کی کتابوں کو دیکھنا عیب سا معلوم ہوتا تھا حتیٰ کہ خود اپنے اسلاف صالحین کی علوم و معارف سے بھری ہوئی اُردو تصنیفیں دیکھنے میں بڑی رُکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ خواہ اسے محسوس کر کے یا از خود داعیۂ قلب سے ایک دن تفسیر بیان القرآن اُردو از حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے بارہ میں فرمایا کہ "اُردو میں اِتنی چُست تفسیر آجتک نظر سے نہیں گذری اِس تفسیر نے بہت سی پُرانی تفاسیر سے مستغنی کر دیا ہے۔

اِس کے بعد سے ہم لوگ اُردو کی کتابیں دیکھنا گویا جائز سمجھنے لگے تھے، اور یہ کہ اُردو زبان بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے علم کا تعلق ہو سکتا ہے۔

اثنائے سال تعلیمی میں گاہ بگاہ سفر بھی فرماتے تھے، اور سال بھر میں سفروں کی تعداد خاصی ہو جاتی تھی، اس میں بعض سفر لمبے لمبے بھی ہوتے تھے جیسے پنجاب و سرحد وغیرہ کے، اسفار سے ردِّ قادیانی کے سلسلہ میں پنجاب کے مستقل دَورے بھی فرمائے، خاص قادیان کا سفر بھی ہوا، جس میں ایک بڑی جماعت ساتھ تھی اور ہم لوگ بھی ہم سفر تھے، اور سفروں میں بھی احقر ساتھ رہا ہے۔

تقریر علمی ہوتی تھی جس سے علماء استفادہ کر سکتے تھے، لیکن عوام بصدِ عقیدت سُنکر برکت حاصل کرتے تھے۔

کھوڑہ ضلع راولپنڈی کے سفر میں احقر اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی حال شیخ الحدیث جامعۂ اشرفیہ لاہور، اور دوسرے بعض اور مُستفیدین بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمہ اللہ بھی ہمراہ تھے۔ راولپنڈی پہونچے، بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور بڑی بڑی عالمانہ تقریریں ہوئیں، مجلسی خوش مذاقی اور ظرافت کے سلسلہ میں، ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم وظیفہ پڑھ رہے تھے جو ناشتہ آگیا۔ حضرت ممدوح نے زور سے فرمایا کہ "شیخ وظیفہ کا مقصد آچکا ہے دسترخوان پر آجائیے!"

کھوڑہ کے اِسی سفر میں حضرت ممدوح نے مجھے "فقیر صاحب" کا

خطاب عطا فرمایا۔ صورتِ واقعہ یہ ہوئی کہ بارش بہت زیادہ ہوگئی جلسہ گاہ شہر سے میل بھر کے فاصلہ پر تھی، راستہ میں بھی بارش آگئی، اور میں سر سے پیر تک پانی میں مع کپڑوں کے نچڑ گیا، جلسہ گاہ کے قریب ایک مسجد میں پہونچکر بھیگے ہوئے کپڑے اُتار دیے، ایک صاحب نے اپنی چادر لنگی کے طور پر دی، اور ایک صاحب نے اوڑھنے کے لیے دوسری چادر دیدی، میں لنگی باندھ کر، اور چادر اوڑھ کر ننگے سر ننگے پاؤں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہونچا۔ حکم فرمایا کہ:-

"اس وقت جلسہ میں تقریر تجھی کو کرنا ہوگی"۔

چنانچہ مجھے اسٹیج پر کھڑا کر کے خود ہی میرے تعارف کی تقریر کی اور فرمایا کہ "یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے حلّہ میں ننگے سر، ننگے پاؤں کھڑے ہیں فلاں ہیں، فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں، علمی سواد خاصا رکھتے ہیں، مجمع میں بولنے کا ڈھنگ انھیں آگیا ہے، یہ جیسے باہر سے فقیر نظر آتے ہیں ویسے ہی اندر سے بھی فقیر صاحب ہی ہیں، آپ ان کی تقریر سے فائدہ اُٹھائینگے"۔

ملتان میں بھی شیخ زکریا بہاء الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے احاطہ میں جلسہ ہوا میں ساتھ تھا تو مجھے بھی تقریر کرنے کا حکم دیا۔ اور جب میں تقریر ختم کر چکا تو اُس تقریر کی تائید میں بار بار میرا ذکر فرما کر

خود بھی تقریر فرمائی، اور کافی حوصلہ بڑھایا۔ اصاغر کی حوصلہ افزائی کی آپکو عادت تھی جس سے چھوٹے اپنے حوصلہ سے زیادہ کام کرجاتے تھے

درس و تدریس کے ساتھ ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، بیعت بھی فرما لیتے تھے، اپنے اکابر سے سُنا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے۔ دیوبند کے بھی بعض لوگ بیعت تھے۔ آلہ دین دیوبندی، جو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے دیکھنے والوں میں تھا، حضرت ممدوح ہی سے بیعت تھا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد میں نے، اور جناب مولٰنا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان مقیم کراچی نے بھی ساتھ ہی ساتھ حضرت ممدوح کی طرف رُجوع کیا۔ ہمیں طریق چشتیہ کے مطابق اذکار تلقین فرمائے، اور ہم اُس میں کھلی تاثیر و تصرف محسوس کرتے تھے۔

عِلم واخلاق کے اِن اونچے مقامات کے ساتھ سیاسیات سے بھی آپ کو لگاؤ تھا، اور مُلکی معاملات میں شرعی اُصول پر جچی تُلی رائے ظاہر فرماتے تھے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس پشاور کی صدارت فرمائی خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا جس میں وقت کے تمام مسائل پر بحث فرمائی

انگریزوں سے کافی تنفر تھا۔

ایک دفعہ مرض وفات میں ۱۹۴۷ء کے انقلاب سے سولہ سترہ سال پہلے عزیزی مولوی حامدالانصاری غازی کو مخاطب کرکے فرمانے لگے کہ "بھائی! ہمیں اب یقین ہوگیا ہے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے گا، کیوں کہ اس نے قدرتی اشیاء پر بھی ٹیکس عائد کردیئے ہیں، ہوا پر ٹیکس، فضاء پر ٹیکس، پانی پر ٹیکس، نمک پر ٹیکس، جن چیزوں کو قدرت نے آزاد رکھا تھا اُن پر پابندی عائد کرنا، قدرت کا مقابلہ ہے جسکے بعد زیادہ دیر تک بقا نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ اب انگریز کے جانے کے دن قریب آگئے ہیں۔"

حضرت ممدوح کی اِن گوناگوں علمی وعملی اور اخلاقی خصوصیات کے سبب خود اُن کے اکابر اُن کی عظمت کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ استاد ہونے کے باوجود توقیر کے کلمات اُن کے بارہ میں استعمال فرماتے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے کہ "جب مولوی انور شاہؒ میرے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب اُن کی علمی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے"۔ میرے والد ماجد باوجود استاد ہونے کے اُن کی انتہائی توقیر فرماتے تھے، اور غائبانہ بھی اُن کے لئے کلمات تعظیم استعمال فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس کی عظمت اُس کے بڑوں کے دل میں بھی ہو

اُس کی عظمت اُس کے چھوٹوں کے دلوں میں کتنی ہوگی ؟ ۔

ایک مقتدر ہستی، ایک یگانۂ روزگار ہستی کے فضائل و مناقب اِن سطور میں کیا آسکتے ہیں۔ بڑی بڑی تصنیفیں بھی ایسے لوگوں کی سوانح کے لئے کافی نہیں ہوسکتیں، اِسلئے یہ مضمون تو کیا اُن کی سمائی کرسکتا ہے لیکن اس کی نگارش بطور سوانح کے ہوئی ہی نہیں، یہ سطریں صرف بطور تذکرۂ کاملین اپنے دِل کی تسلّی یا اپنے استادزادہ عزیز مولوی سید محمد ازہر شاہ قیصر، مدیر ماہنامہ "دارالعلوم" کے ایماء کی تعمیل کے لئے لِکھی گئی ہیں۔ ورنہ کجا سوانح خاتم المحدثین اور کجا یہ اجہل الجاہلین؟ بس جہد "المقل دموعًا" کے طور پر یہ بضاعت مزجاۃ (جو آج بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ کو بعد نماز صبح بیٹھ کر لکھنی شروع کی اور مسلسل لکھتے لِکھتے ٹھیک گیارہ بجے دن کے ختم کردی) بطور ایک ہدیۂ ناچیز عزیز محترم و ممدوح کی خدمت میں پیش ہے ع ؎

"گر قبول اُفتد زہے عزّو شرف"

الحمد للہ اولاً و آخراً ٭

آپ شاید نہیں جانتے!

ادارۂ ہادی نے

اشاعتِ قرآنِ حکیم اور تبلیغِ دین کا غریب حضرات کیلئے کیا طریقہ جاری کر رکھا ہے

ادارۂ ھادی دیوبند :-

تفسیر بیان القرآن — تفسیر حقّانی — دعوات عبدیت

یہ تینوں سلسلے جُدا جُدا پارے اور مجموعوں کی شکل میں مکمّل ہو چکے ہیں اور یہ تینوں سیٹ آج بھی مجموعی اور جُدا جُدا پاروں کی شکل میں بھیجے جاتے ہیں، ایک سبز، پارہ، یا مجموعہ کا عام ہدیہ صرف دو روپیہ محصولڈاک ایک روپیہ کُل تین روپے ہے اور بیان القرآن مکمّل سیٹ ہدیہ ۶۰ــــ تفسیر حقانی مکمّل سیٹ ہدیہ ۲۰ـــ دعوات عبدیت مکمّل سیٹ ہدیہ ۴۲ــــ علاوہ محصول ڈاک ۔ فیس ممبری سالانہ صرف ایک روپیہ ـــــ فیس معاونت سالانہ حسب استطاعت۔

(لیکن)

جو احباب فیس معاونت یا فیس ممبری ادا کرتے ہیں اُنکی خدمت میں فی جز، پارہ مجموعہ مع محصولڈاک صرف دو روپے میں بھیجا جا رہا ہے، اور ادارہ کی دوسری مطبوعات بھی کافی رعایت سے بھیجی جاتی ہیں، آپ بھی اس تبلیغی سلسلہ میں شامل ہوکر ادارہ کی مدد فرمائیں اور یہ تینوں سلسلے مسلمانوں کے ہر ایک گھر، مدارس اور مساجد میں پہنچا کر خدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں ۔ ادارۂ ھادی دیوبند

قرآنی اشاعت کا پہلا تبلیغی پروگرام

"تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"

مجدد ملت حضرت حکیم الامت مولانا الحاج شاہ اشرف علی تھانویؒ کی مشہور و معروف

مکمل تفسیر بیان القرآن اردو !

مثالی خوبیوں کے ساتھ تیس پاروں میں مکمل، یہی وہ مقدس تفسیر ہے جو آجکل تمام دینی مدارس میں داخل درس ہے، عمدہ کتابت، بہترین کاغذ، ٹائیٹل سہ رنگے بلاک سے مزین، ہدیہ فی پارہ ۲/، مکمل سیٹ کا رعایتی صرف ۵۵، محصول ڈاک معاف۔

گو یہ تفسیر مختلف جگہ سے بار بار چھپ چکی ہے لیکن جس سلیقہ سے اور جن خوبیوں کے ساتھ $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز پر یہ طبع شدہ ہے اس سے بہتر اور نہیں۔

غریب مسلمانوں کے لئے :-

کم استطاعت حضرات ماہانہ پروگرام کی شکل میں بھی منگا سکتے ہیں !

طریق معاونت

(۱) قرآنی تبلیغی پروگرام میں شرکت کے لئے فیس ممبری ایک روپیہ ارسال کر کے اپنا نام درج کرالیں اور اسکے ماہانہ خریدار بنجائیں !

(۲) ہدیہ فی پارہ دو روپے، محصول ڈاک (۵۰ پیسے)

(۳) ممبران کے لئے ہدیہ فی پارہ دو روپے محصول بذمہ ادارہ۔

(۴) ایجنٹ حضرات اور تاجران کتب کے لئے معقول کمیشن۔

خط و کتابت کا پتہ :- ادارہ ھادی دیوبند یو، پی،

قرآنی اشاعت کا دوسرا تبلیغی پروگرام

تفسیر حقانی اردو!

حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ مفسّرِ قرآن

آج کے دور میں یہ مقدس تفسیر بھی تمام تفاسیر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، اندازِ بیان دلنشین، مستند، محققانہ تفصیلات سے مالا مال، کامل ۳۶ حصّوں میں۔

پہلا پارہ تین حصّوں میں، ۲۸ واں و ۲۹ واں ۲ حصّوں میں، ۳۰ واں ۴ حصّوں میں، باقی ہر ایک پارہ علیحدہ علیحدہ۔ ھدیہ فی پارہ یا فی حصّہ دو روپے، محصول ڈاک ۵۰ پیسے

مکمل سیٹ کا ہدیہ رعایتی ساٹھ روپے۔ /۶۰ (ص)

غریب مسلمان ہر ماہ ایک پارہ یا ایک حصّہ پروگرام کی شکل میں منگا سکتے ہیں!

تبلیغِ دین کا تیسرا پروگرام

تسہیل دعوات عبدیت مجلّد اردو

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی ؒ نے اُمت کی اصلاح کیلئے اپنی حیات میں چارسو سے زائد مواعظ بیان فرمائے تھے، ان مواعظ کے مطالعہ سے علوم قرآنی کے حقائق، حدیث نبوی کے نکات و لطائف اور ہزاروں فقہی مسائل معلوم ہو جاتے ہیں، ادارہ ہادی دیوبند "دعوات عبدیت" کا سلسلہ تسہیل کے

ساتھ پیش کر رہا ہے، اور اب تک اکیس مجموعے پیش کر چکا ہے، اُن کا مطالعہ یقیناً آپ کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

جلد ۱ آداب المساجد، جمال الدعا، وعظ سیرت صوفی، استحقاق المعاصی، مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۲ حقوق المعاشرت الاخلاص، الاخلاص، اصلاح النساء، مقالات مجادلات قیمت مجلد ۲/-

جلد ۳ ذم الہویٰ، تطہیر رمضان، حقوق القرآن، حقوق الکبر، مقالات مجادلات قیمت مجلد ۲/-

جلد ۴ حیات طیبہ، تسہیل الاصلاح۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ، مقالات مجادلات۔ مجلد ۲/-

جلد ۵ اکمال الصلوٰۃ، غض البصر، تطہیر الاعضاء، تقویم الزیغ۔ مقالات مجادلات۔ مجلد ۲/-

جلد ۶ ضرورت الاعتبار، ضرورت علم، ضرورت عمل، طریق القرب۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۷ فضائل علم و خشیت۔ ترغیب الاضحیہ۔ توبہ کی ضرورت۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۸ تفصیل توبہ، تکمیل الاسلام، ترک معاصی، مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۹ اصلاح نفس، تفاصیل الاعمال، الرضا بالدین، الاتعاظ بالغیر۔ طلب علم۔ مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد دو روپیہ ۲/-

جلد ۱۰ تادیب المصیبت۔ حب العاجلہ۔ ازالۃ الغفلت۔ قطع التمنی۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۱۱ تیسیر الاصلاح۔ ضرورت علماء۔ مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۱۲ طریق النجات۔ نسیان النفس۔ تعلیم البیان، آثار حجت۔ مقالات مجادلات۔ مجلد ۲/-

جلد ۱۳ العمل للعلماء۔ متاع الدنیا۔ مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/-

جلد ۱۴ احسان التدبیر۔ مضار المعصیۃ۔ فضل العلم والعمل۔ تعظیم الشعائر۔ مقالات مجادلات مجلد ۲/
جلد ۱۵ التصدی للغیر۔ اطاعت الاحکام۔ خواص الخشیت۔ ذکر موت الفقہاء۔ المجازحۃ۔ مجلد ۲/
جلد ۱۶ اشرف المکالم۔ ترجیح المفسدۃ۔ اختیار الخلیل۔ شرط الایمان۔ الصوم۔ مقالات مجادلات۔ مجلد ۲/
جلد ۱۷ الشکر۔ غوائل الغضب۔ التنبہ۔ مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/
جلد ۱۸ منازعت الہوی۔ الفطر۔ الباقی۔ مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/
جلد ۱۹ حق اطاعت۔ الدین الخالص۔ غسل الجاہلیۃ۔ نداء رمضان۔
مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد دو روپیہ ۲/
جلد ۲۰ خدا کی محبت۔ شعب الایمان۔ وقت کے حقوق۔ مقالات مجادلات۔ مجلد ۲/
جلد ۲۱ شعبان۔ الصیام۔ مقالات مجادلات۔ قیمت مجلد ۲/

طریق معاونت

(۱) دینی تبلیغی پروگرام میں شرکت کے لئے فیس ممبری ارسال کر کے اپنا نام درج کرالیں، اور اس کے خریدار بن جائیں!

(۲) ممبران کے لئے رعایتی ہدیہ فی جلد صرف دو روپے۲ محصول بذمہ ادارہ

(۳) ایجنٹ حضرات اور تاجران کتب کے لئے معقول کمیشن ٭

خط و کتابت کا پتہ:۔

ادارہ ھادی دیوبند (یو۔پی)

اُردو فارسی عربی کے جدید نصابات

مُرتّبہ :- حضرت مولٰنا مشتاق احمد چرتھاولی

جبتک کسی زبان سے مکمّل طور پر واقفیت نہو اور اس زبان کے سیکھنے کے ساتھ اُس میں تحریر و تقریر کی استعداد و قابلیت نہ پیدا ہو جائے اُسکے پڑھانے یا سکھانے سے کیا فائدہ؟ قدیم زمانہ کا طریقہ تعلیم کچھ ایسا تشنہ ہے کہ ضخیم کتابیں پڑھنے کے باوجود طالبانِ دین نہ اُنھیں سمجھتے ہیں اور نہ اُس میں لکھ پڑھ سکتے ہیں۔

ہمارے اِن جدید نصابات کے ذریعے تعلیم دینے سے تھوڑی مدّت میں اُردو فارسی، اور عربی میں قواعد، خط و کتابت، گفتگو، ہر ایک بات کا شعور و سلیقہ آجاتا ہے اور قرآن کا ترجمہ سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ طلبار کا وقت ضائع نہیں ہوتا :-

قرآنی جدید نصاب	فارسی جدید نصاب	عربی جدید نصاب
تلاوت آسان خورد ۱۹ پ	فارسی زبان کا قاعدہ ۴۴ پ	عربی قاعدہ ۳۷ پ
تلاوت آسان کلاں ۲۵ پ	رہبر فارسی مع گفتگو فارسی ۳۱ پ	علم الصرف کامل ۲ حصہ عہ ۱۲/۱ پ
ناموں والا قاعدہ اوّل ۱۹ پ	لطائف فارسی ۵۰ پ	علم النحو ۶۲ پ
ناموں والا قاعدہ دوم ۲۵ پ	صرف و نحو فارسی ۷۵ پ	عربی صفوۃ المصادر ۷۵ پ
نماز آسان ۲۵ پ	لغات فارسی کامل ۲ حصہ عہ ۳ پ	عربی گفتگو نامہ ۷۵ پ
روزہ آسان ۲۵ پ		روضۃ الادب عہ ۶۲ پ

ادارہ ہادی دیوبند (یوپی)

اکابرین دیوبند کا پسند فرمودہ

مدنی یسرنا القرآن

(جس میں)

ہر ایک بات الگ الگ سمجھائی گئی ہے، یہانتک کہ ؟

اور اعراب کو بھی جُدا جُدا کر کے پُوری پُوری وضاحت سے سمجھایا گیا ہے،
شروع ہی سے ہجے اور رواں طریقے سے پڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔
بیک وقت کئی تعلیمی کام سُپرد نہیں کئے گئے۔ اُلجھی ہوئی باتوں سے
بچّوں کے دماغ کو بچانے اور قوتِ برداشت کے تناسب سے اُن کے دماغ
پر زور دینے کی سعی کی گئی ہے، ہر ایک ضابطہ و قاعدہ علیحدہ علیحدہ بیان
کر دیا گیا ہے۔

خصوصیت سے اِس کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ اُستاد کی تنبیہ کے
بغیر بچّہ اپنا پچھلا سبق خود ہی دوہرا لے۔ اِس انمول قاعدہ کے
ذریعہ تعلیم دینے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر ہفتہ عشرہ
بچّہ کا سبق نہ سُنا جائے تو وہ اُسے یاد رکھنے پر خود ہی مجبور ہے !

ھدیہ ۵۰ نئے پیسے ۸ / ۔

ملنے کا پتہ :- ادارہ ھادی دیوبند (یوپی)

روحانی غذائیں

دینی کتابیں پڑھنی ضروریات زندگی میں ایک اہم ضرورت ہے اور یہ ضرورت آپ ضرور تکمیل کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنی علمی، تاریخی، تحقیقی، ادبی اور درسی، دینی مذہبی ضرورت پوری کرتے وقت ۳۰ سالہ قدیم ادارہ "ھادی" دیوبند کو اپنی اس خدمت کا موقع دیں تو یہ ایک اشاعتی ادارہ کے ساتھ زبردست تعاون اور ہم خرما وہم ثواب کا واقعی مصداق ہوگا۔

عملیات کی کنجی

! زود اثر عملیات اور تعویذات کا بیش بہا مجموعہ

آپ پریشان کیوں ہیں.....؟ ٹھیرئیے، ٹھیرئیے خودکشی نہ کیجئے.....؟ "جو شخص کوئی عمل یا تعویذ قرآن وحدیث کی بنیاد پر خلوص نیت سے استعمال کریگا تو لازمی طور پر وہ عمل یا تعویذ اپنا اثر دکھائے گا۔"

میرے اچھے ساتھی! اللہ تعالیٰ کے کلام میں بڑی برکت، طاقت اور اثر ہے یہ کتاب اکابرین دیوبند کی پسندیدہ اور غیر اسلامی مشرکانہ باتوں سے پاک و صاف ہے اس نادر مجموعہ میں جنات، شیاطین، سحر اور مؤکلات سے متعلق عجیب و غریب عملیات اور تعویذات موجود ہیں، آپ بھی اس سے فائدہ اٹھائیے۔ ہدیہ مجلد صرف ۵۰/۱ صفحات ۱۲۸ سائز ۲۰×۳۰/۱۶، کاغذ سفید، ٹائٹل خوشنما بلاک سے مزین۔